ہفت روزہ

الفتح

کراچی

۱۵-۲۲ فروری ۱۹۷۳ء

عراقی سفارتخانے کا اسلحہ

پاکستان میں روس اور امریکہ کی سیاسی کشمکش



قیمت : —— ۵۰ پیسے

ہوائی ڈاک سے : —— ایک روپیہ

عجزِ زباں کا شکوہ



تاریخ کو گلہ ہے
رقم کس طرح کروں
اے ویت نام
تیرے جیالوں کی داستاں
اہلِ جنوں کی اہل کمالوں کی داستاں
اہل زباں کو شکوۂ عجزِ بیاں ہے
شرمندہ ہے لغت کہ احاطہ نہ کرسکی
تیرے بہادری کے جنوں خیز واقعات
الفاظ گنگ ہیں تیری عظمت کو دیکھ کر
تقدیسِ حریت کو، شجاعت کو دیکھ کر
تیری بلند ہمت و رفعت کو دیکھ کر
حُبِ وطن کی تازہ روایت کو دیکھ کر
جہد و عمل کی جاگتی تصویر کی طرح
تابندہ تر ہے پیکرِ تنویر کی طرح
محجوب ہے قلم میرا تحریر کیا کروں
تیرے جنوں کی اور میں تفسیر کیا کروں
تو ایشیا کے سر پہ ہے اک پُر غرور تاج
دہشت سے تیری آج بھی کانپے ہے سامراج
فسطائیت کی لاش کا مدفون ویت نام
انسانیت کا جاگتا قانون ویت نام
رائی ہے تو پہاڑ سے پیکارِ جنگ تھا
وہ کارنامے اور وہ قربانیاں کہ بس
انسانیت کی چشمِ بصیرت بھی دنگ ہے
نازاں ہے ایشیا تیری عظمت پہ ویت نام

باسط عظیم

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

مدیر
وہاب صدیقی

۱۵-۲۲ فروری ۱۹۷۳ء

قیمت: ———— ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے: ———— ایک روپیہ

جلد-۳ شمارہ-۴۰

اداریہ

سامراجی سازشوں کو کچل دو

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل مسٹر کرٹ والڈائم نے بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش کے دورے کے دوران دوسرے امور کے علاوہ پاکستان کے ترانوے ہزار جنگی قیدیوں کی واپسی کے بارے میں مسز اندرا گاندھی، صدر بھٹو اور شیخ مجیب الرحمان سے بات چیت کی، بقول ان کے مذاکرات تسلی بخش رہے اور برصغیر کے مسائل کے حل کے امکانات روشن ہو گئے ہیں۔

سوچنے کی یہ بات ہے کہ بھارت نے جنگی قیدیوں کی واپسی کے سلسلے میں تمام بین الاقوامی آداب، اقوام متحدہ کی قراردادوں اور جنیوا کنونشن کے فیصلوں کی دھجیاں کیوں اڑادی ہیں اور جنگی قیدیوں کو اپنے توسیع پسندانہ مقاصد کے لئے کیوں استعمال کر رہا ہے اور اقوام متحدہ خاموش تماشائی کیوں بنا ہوا ہے۔

ہمارے نزدیک بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا اور کشمیر کی موجودہ حد بندی لائن کو مستقل بین الاقوامی سرحد کی حیثیت کے طور پر منوانے کے علاوہ ایک تیسرا شیطانی جذبہ بھی کارفرما ہے اور وہ ہے، پنجاب کی طاقت کو کچلنا۔ جنگی قیدیوں کی ۹۹ فیصد تعداد کا تعلق پنجاب سے ہے اور پاکستان کے اسی خطے میں بھارت کے خلاف شدید قسم کی نفرت پائی جاتی ہے۔ فوجی اہمیت سے بھی یہی علاقہ بھارت کیلئے مسلسل چیلنج بنا رہا ہے اور سیاسی لحاظ سے بھی اس علاقے کے فیصلے پاکستان کی تاریخ پر حاوی رہے ہیں۔

بھارت اور اس کے آقا روسی سوشل سامراج نے پاکستان کے وجود کو ابھی تک تسلیم نہیں کیا۔ اُن کی انتہائی خواہش ہے کہ یہ ملک صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔ وہ اس خام خیال میں مبتلا ہیں کہ اُن کے ناپاک عزائم کی آڑ میں سب سے بڑی رکاوٹ پنجاب ثابت ہوگا، چنانچہ وہ اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی فکر میں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ پنجاب کا "مورال" اس قدر پست کر دیا جائے کہ ہلکا سا وار بھی اُن کے مقاصد کو پورا کر سکے۔ چنانچہ ایک طرف جنگی قیدیوں کی واپسی کے سلسلے میں لیت و لعل سے کام لیا جا رہا ہے اور دوسری طرف پاکستان کو اندرونی طور پر کمزور کرنے کے لئے براہِ راست مداخلت سے بھی گریز نہیں کیا جا رہا ہے۔

جنگی قیدیوں نے ایک نہ ایک روز اپنے وطن واپس لوٹنا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ قیدیوں کی واپسی میں تاخیر سے جو

خاص مضامین

سرورق: انور سمیع

فون: ۴۱۲۲۷۴

ارشاد راؤ پبلشر نے حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ الفتح، ۸۰ ڈی - نرسری کمرشیل ایریا (پی-ای-سی-ایچ-ایس) کراچی ۲۹ سے شائع کیا

مقاصد بھارت اور روس حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس میں انہیں منہ کی کھانی پڑے گی۔ پاکستان یقیناً اب چار قومیتوں کا ایک ملک رہ گیا ہے اور وہ ایک قوم ہیں اور ان میں سے ہر قومیت کے مزدور، کسان اور دوسرے شہری اکھنڈ بھارت کے قیام کی ہر کوشش کا منہ توڑ جواب دیں گے۔ ان کا یہ اندازہ بالکل غلط ثابت ہوگا کہ انہیں صرف پنجابیوں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا بلکہ وُہ ہر قدم پر پنجابیوں کے دوش بدوش سندھیوں، بلوچ اور پشتون قومیتوں کو پائیں گے۔

پاکستان میں بسنے والی چار قومیتوں کا یہ پختہ ایمان ہے کہ انقلاب درآمد نہیں کیا جاتا۔ وُہ یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ موجودہ نظام کو غیر ملکی امداد یا اسلحہ کی مدد سے نہیں بدل سکتے بلکہ اس ملک کی قسمت کا فیصلہ اس ملک کے عوام کریں گے۔ انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وُہ اپنے لئے سوشلسٹ نظام منتخب کرتے ہیں یا سرمایہ دارانہ نظام۔ بھارت یا روس، امریکہ یا اور کوئی ملک ان کی مادرِ وطن کے مستقبل کے بارے میں نہ تو دباؤ ڈال سکتا ہے، اور نہ ہی انہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ مداخلت کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

جنگی قیدیوں کی واپسی کے مسئلے کو پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سازشوں سے ہٹ کر نہیں دیکھا جاسکتا۔ بنگلہ دیش کے ساتھ قیام پاکستان سے لے کر فوجی کارروائی تک جو کچھ ہوا، اس میں مغربی پاکستان کے عوام کا ذرہ برابر ہاتھ نہیں بلکہ حکمرانوں نے اپنے غیر ملکی آقاؤں کی مرضی اور منشاء کے مطابق مغربی پاکستان میں بسنے والے شہریوں کے ساتھ بھی وہی مظالم روا رکھے جو انہوں نے مشرقی پاکستان کے عوام پر ڈھائے، بھوکے ننگے، اور افلاس زدہ عوام صرف مشرقی پاکستان میں نہ تھے، بلکہ مغربی پاکستان بھی غربت و ناداری کا گہوارہ بنا رہا ہے اور آج بھی ہے۔

پاکستان کے عوام کے ساتھ یہ سلوک ایک سوچی سمجھی سامراجی سازش کے تحت کیا گیا۔ یحییٰ کی فوجی آمریت اور اس کے ساتھی جنرلوں نے جماعت اسلامی اور دائیں بازو کی دوسری جماعتوں کے اشتراک سے مشرقی پاکستان میں جو شرمناک اور وحشیانہ کارروائیاں کیں، انکی ذمہ داری اُن فوجی سپاہیوں پر نہیں ڈالی جاسکتی جو اس نظام کے تحت حکم ماننے کے پابند ہیں۔ اس حقیقت سے واقفیت کے باوجود جنگی قیدیوں کو رہا نہ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستان کے خلاف سامراجی سازشوں کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ انہیں کامیاب بنانے کے لئے بعض اقدامات عمل میں لائے جارہے ہیں۔

اس وقت پاکستان بین الاقوامی سازشوں کی براہِ راست زد میں ہے۔ آج سب سے بڑا تضاد یہی ہے۔ روسی سوشل سامراج اپنے مکروہ عزائم کے ساتھ بڑی تیزی سے حملہ آور ہوچکا ہے اور امریکی سامراج اپنی عیارانہ اور مکّارانہ کارروائیوں کے ذریعے اندرونی طور پر جڑیں کھوکھلی کرنے میں مصروف ہے۔ دونوں کا مقصد یہ ہے کہ وُہ اس خطے کو عملی طور پر اپنے تسلّط میں رکھے اور نو آبادی کے طور پر استعمال کرے۔ مقامی سطح پر دونوں سامراجیوں کو بعض دلالوں کی حمایت بھی حاصل ہے۔

پاکستان کے عوام ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد ایک بظاہر نئی لیکن مسلسل جنگ سے دوچار ہیں۔ دشمن اس وقت لیس ہوکر ٹینکوں، طیاروں اور توپوں سے حملہ آور نہیں ہوا بلکہ وُہ اپنی حکمتِ عملی کے تحت سرد جنگ لڑ رہا ہے۔ اُس کا مقصد ہمارے اندرونی اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے اور سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور اُن کے ایجنٹوں کے ذریعے مختلف قومیتوں کے درمیان عصبیت کی آگ کو بھڑکانا ہے۔

ہمارا پہلا اور بنیادی فرض یہ ہے کہ ہم اپنی صفوں کو منظم کریں۔ چاروں قومیتیں متحد ہوکر سامراجیوں اور ان کے دلالوں کو منہ توڑ جواب دیں۔ غیر ملکی طاقتوں کے ایجنٹوں کو عمل کے ذریعے کچل دیں۔

فیصلہ مسلّط کرنے والو! خبردار

گذشتہ دنوں پاکستان میں ایک انتہائی بھیانک اور مذموم سازش کا انکشاف ہوا ہے۔ اسلام آباد میں عراقی سفارت خانے سے جو اسلحہ برآمد ہوا ہے، اس کی تفصیلات اب تک سامنے آرہی ہیں۔ تمام اسلحہ ملکی و غیر ملکی صحافیوں اور عراقی سفارت خانے کے اعلیٰ افسران کی موجودگی میں برآمد ہوا ہے، ٹی وی پر اس کے متعلق ایک فلم بھی دکھائی گئی ہے۔ حکومت پاکستان نے عراقی سفیر کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر پاکستان چھوڑنے کا حکم دے دیا ہے، اور پاکستانی سفیر متعینہ عراق کو پاکستان واپس بلا لیا ہے۔

اس واقعہ سے عوام کے تمام حلقوں میں زبردست بے چینی پھیلی ہوئی ہے، اور وہ کھل کر عراقی سازش کی مذمت کر رہے ہیں۔ یہ اسلحہ عراقی ایرڈیز کے ذریعے انتہائی رازداری کے ساتھ پاکستان پہنچایا جاتا رہا ہے۔ اس سلسلے میں جناب اکبر بگٹی کا یہ انکشاف بہت اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے دس گنا زیادہ اسلحہ پہلے ہی تقسیم کیا جاچکا ہے۔ اس واقع سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پاکستان میں روسی اور امریکی سازشوں کی رفتار تیز ہوچکی ہے۔ غیر ملکی قوتیں زخم خوردہ پاکستان کو ہڑپ کرنے کے لئے مختلف قسم کے مذموم ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہیں۔ اور اس سلسلے میں عراقی حکومت ننگی ہوکر دنیا کے سامنے آچکی ہے۔

عراقی حکومت کی اس سازش میں روسی حکومت کا ہاتھ کارفرما ہے۔ عراق اس وقت مشرقِ وسطیٰ میں روس کا سب سے بڑا حلیف ہے۔ سوڈان میں نمیری کی حکومت کے خلاف بغاوت میں عراقی حکومت نے روس نواز سیاست دانوں کی کھل کر حمایت کی تھی۔ عراق سوڈان کی دو روزہ باغی حکومت کو تسلیم کرنے والا پہلا ملک تھا۔ اس کے علاوہ روس اور عراق کے درمیان فوجی معاہدہ بھی وجود میں آچکا ہے۔ اس لئے اس بات میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ عراقی سفارت خانے

باقی صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں



عراقی سفارت خانے سے برآمد ہونے والا روسی ساخت کا اسلحہ

عراقی سفارتخانے کا اسلحہ

پاکستان میں روس اور امریکہ کی سیاسی کشمکش

واقفِ حال

- ۰۔ سب مشین گنیں ——— ۹۲۱
- ۰۔ کارتوس ——— ۹۲۱
- ۰۔ ۶۲ء۷ ملی میٹر دہانے کا میگزین ——— ۳۶ ہزار راؤنڈ
- ۰۔ ۳ء۳ ملی میٹر دہانے کا میگزین ——— ۱۰ ہزار راؤنڈ
- ۰۔ آتش گیر دستی بم ——— ۴۰
- ۰۔ ۶۲ء۷ ملی میٹر کی بھری ہوئی فیلڈ میگزین ۔۔ ۲۰ ہزار راؤنڈ
- ۰۔ گوریلا جنگ کی تربیت کا ساز و سامان
- ۰۔ طاقتور ٹرانسمیٹر ———

یہ، اسلام آباد میں واقع عراقی سفارت خانے سے ۱۰ر فروری ۷۳ء کو برآمد ہونے والے روسی ساخت کے اسلحہ کی تعداد ہے۔

جس نے پاکستان میں تہلکہ مچا دیا، ذہنوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ عراقی سفارت خانے نے ویانا کنونشن کے اصولوں، سفارتی آداب اور عام بین الاقوامی قانون کے پرزے اڑا دیئے۔ اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے، کم ہے۔ کیونکہ عراقی سفارت خانے کا یہ اقدام صرف ویانا کنونشن کے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی ہی نہیں، بلکہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے مترادف ہے، جو بندونگ کانفرنس کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

سوویت یونین کے سوشل سامراجیوں نے جس طرح ایک چھوٹے ملک، عراق کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کیا۔ وہ کوئی نئی بات نہیں۔ سوویت سوشل سامراج اور امریکی سامراج ہمیشہ چھوٹے ممالک کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کرتے رہے ہیں۔ جنگ دسمبر ۷۱ء کے دوران سوویت یونین نے متحدہ عرب جمہوریہ کو پاکستان کے خلاف استعمال کیا۔ روسی اسلحہ مصر کے راستے بھارت بھیجا گیا۔ امریکی سامراج نے ویت نام میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے تھائی لینڈ، آسٹریلیا وغیرہ استعمال کیا، اور پشاور سے روس کی جاسوسی کے لئے یو۔ ٹو بھیج کر پاکستان کو بھی عالمی طاقتوں کی کش مکش میں ملوث کیا۔

۱۰ر فروری کو جو سازش منظرِ عام پر آئی، وہ نہ انجام ہے، اور نہ آغاز۔ یہ اس سازش کی ایک کڑی ہے۔ جو گزشتہ ۲۵ سال سے پاکستان کو ختم کرنے کے لئے کی جا رہی ہے۔ اس کا آغاز ۴۷ء سے ہوا۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد برصغیر ہند و پاکستان دونوں عالمی "وڈیروں" امریکی سامراج اور سوویت یونین کی کش مکش کا شکار ہو گیا۔ برصغیر کو اپنے زیرِ اثر رکھنے کے لئے دونوں طاقتوں میں دوڑ شروع ہو گئی۔

بھارت اور پاکستان بورژوا ریاستیں ہونے کی وجہ سے معاشی امداد کی محتاج تھیں اور ہیں۔ چنانچہ دونوں عالمی طاقتوں نے معاشی اور فوجی امداد کے ذریعے انہیں اپنے چنگل میں جکڑنا شروع کر دیا۔ ابتداء میں پاکستانی حکمرانوں نے اپنے طبقاتی کردار کے مطابق پاکستان کو امریکی سامراج کی گود میں ڈال دیا۔ اور سمجھا کہ اس طرح ملک کی قومی سلامتی محفوظ رہیگی۔ امریکی سامراج نے پاکستان کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ چنانچہ سوویت یونین کا ناراض ہونا لازمی امر تھا۔ بعد میں پاکستانی حکمران طبقے نے امریکی سامراج اور سوویت سوشل سامراج، دونوں ہی کو خوش رکھنے



عراقی سفیر حکمت سلیمان، اخبار نویسوں کے سوالات کا جواب دے رہے ہیں

روس
چھوٹے ممالک کو
آپس میں لڑا رہا ہے

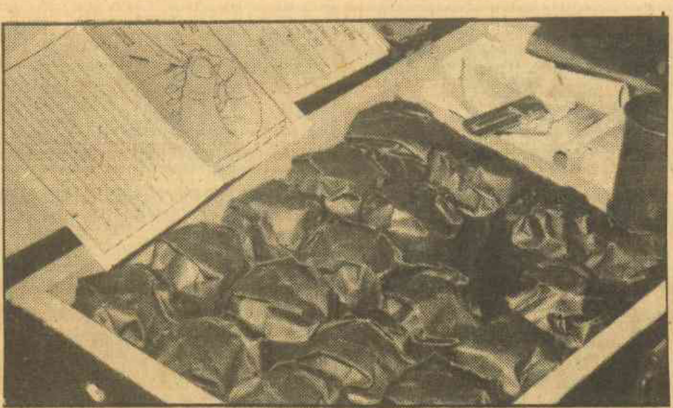
کی پالیسی اختیار کی۔ اور یہ سمجھا گیا کہ روس سے بہتر تعلقات اور امریکہ کے فوجی معاہدوں سے ملک کی قومی سلامتی بحال رہے گی۔ یہ اندازِ فکر بالکل غلط ہے، کیونکہ سامراجی اور سوشل سامراجی ممالک کو پاکستان کی سلامتی سے زیادہ اس نظام کی سلامتی عزیز ہے اور اس نظام کو بچانا مطلوب ہے۔ جو اس ملک کے عوام کا گزشتہ ۲۵ سال سے استحصال کر رہا ہے۔ اور یہ ممالک صرف اسی صورت میں پاکستان کی حکومت کی مدد کو آئیں گے۔ جب اس علاقہ میں جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کی تباہی کا خطرہ درپیش ہوگا۔ ورنہ ہمارا ملک چاہے اسی جغرافیائی وحدت میں رہے، یا کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تبدیل ہو جائے، چاہے ہار جیت کا شکار ہو جائے انہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

مشرقِ وسطیٰ سے سوویت یونین اور ویت نام سے امریکہ کی پسپائی کے بعد برِصغیر پاک و ہند، ان دونوں طاقتوں کی باہمی کشمکش کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ اور ان کی سیاست کا محور یہ مقاصد ہیں۔

۱۔ بحرِ ہند پر اجارہ داری قائم کرنا۔
۲۔ برِصغیر کی مارکیٹ پر قبضہ جمانا۔
۳۔ چین کے گرد حصار قائم کرنا۔

بحرِ ہند ہمیشہ سے مختلف ممالک کے درمیان تنازعہ کا باعث رہا ہے، کیونکہ اس کے مشرقی، مغربی اور شمالی ساحلوں پر تین برِاعظم ہیں۔ قدرتی طور پر یہ ایک اہم مواصلاتی مرکز ہے۔ اس کے علاوہ بحرِ ہند تیل کی ایک اہم گزرگاہ ہے۔ مشرقِ وسطیٰ اور خلیج عرب کے تیل پیدا کرنے والے تمام ممالک کا تیل بحرِ ہند کے ذریعے اس کے خریداروں تک پہنچتا ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ امریکہ اور سوویت یونین نے تیل کے ذرائع پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ مغربی یورپ کا تقریباً ۴۵ فیصد اور جاپان کا تقریباً ۹۰ فیصد تیل بحرِ ہند سے گزرتا ہے۔ امریکی حکام اعلانیہ کہتے ہیں کہ ان کو بحرِ ہند میں اپنی بحری قوت بڑھانی چاہیئے، تاکہ مشرقِ وسطیٰ سے بلا خوف و خطر تیل ملنے کی ضمانت مل سکے۔

دوسری جانب سوویت یونین کے اپنے تیل کے ذخائر پہلے سے کم ہو گئے ہیں۔ نئے دریافت شدہ تیل کے کنوؤں کی کھدائی



عراقی سفارت خانے سے ملنے والے آتش گیر دستی بم



سفارتی تھیلوں سے برآمد ہونے والا ایک طاقتور ٹرانسمیٹر صحافیوں کو دکھایا جا رہا ہے

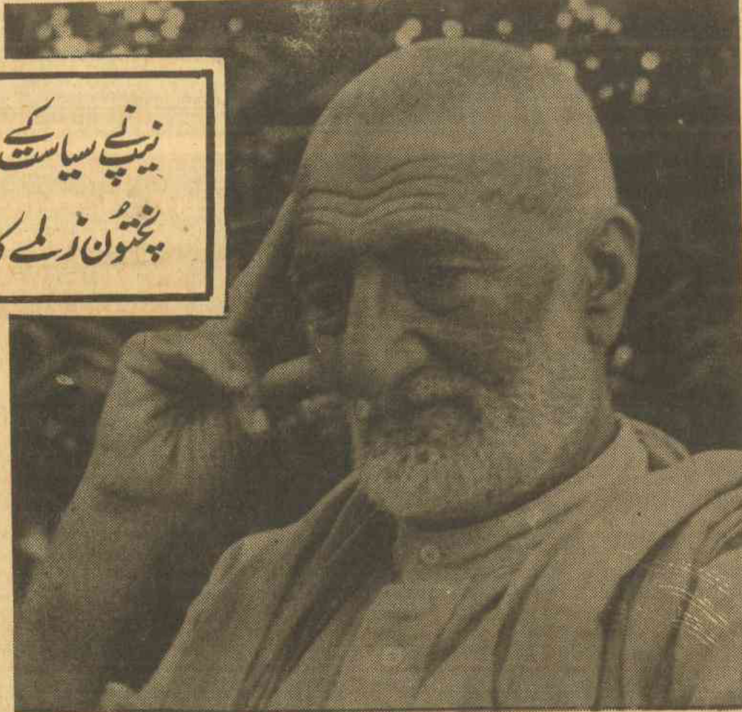
ابھی تک مکمل نہیں ہو سکی۔ اور اگر ہو بھی گئی تو پیداواری لاگت زیادہ ہوگی ۔۔۔ اس لئے اسے بھی مشرقِ وسطیٰ کے تیل پر زیادہ انحصار کرنا پڑ رہا ہے۔ روس نے بحرِ ہند اور برِصغیر میں اپنا اثر بڑھانے کے لئے بھارت کو معاشی اور فوجی امداد دینا شروع کر دی۔ بھارت نے بھی روس نواز پالیسی اختیار کی اور اس سے فوجی معاہدہ کر لیا۔ اس طرح سے نہ صرف بحرِ ہند پر روس کی اجارہ داری ہو گئی بلکہ برِصغیر میں اس کا اثر و رسوخ بھی بڑھ گیا۔ اس لئے سیلون کی وزیرِ اعظم مسز بندرا نائیکے اور چینی وزیرِ اعظم چو این لائی نے امریکی اور سوویت یونین کو بحرِ ہند سے دور رکھنے کے لئے بحرِ ہند کو "امن کا علاقہ" قرار دینے پر زور دیا اور سامراجی اور سوشل سامراجی پالیسی کو بحرِ ہند کی ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت قرار دیا۔

برِصغیر ہند و پاکستان قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ کسی زمانے میں "سونے کی چڑیا" کہلاتا تھا۔ برطانوی نوآبادکاروں نے اس کے پر نوچے، اور دولت کے دریاؤں کا رُخ مغرب کی طرف موڑ دیا۔ لیکن اب بھی اس کے قدرتی وسائل عالمی سامراجی اور سوشل سامراجی طاقتوں کے لئے باعثِ کشش ہیں۔ بلوچستان میں کوئلہ۔ تیل اور قدرتی گیس کے ذخائر موجود ہیں۔ کالا باغ اور ڈیرہ غازی خان میں لوہا موجود ہے۔ اسی طرح بھارت میں بھی کوئلہ، تیل، لوہے اور سونے کے ذخائر ہیں۔ جن سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے۔ امریکہ اور سوویت یونین ان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کثیر آبادی کا یہ خطہ امریکی اور روسی مصنوعات اور مشینری کے لئے ایک بہت بڑی منڈی ہے۔

امریکہ اور سوویت یونین، دونوں عوامی جمہوریہ چین کی ناکہ بندی کرنا اور برصغیر میں چینی اثرات کو روکنا چاہتے ہیں۔ عوامی جمہوریہ چین کے گرد حصار قائم کرنے کا نظریہ جان فاسٹر ڈلس نے پیش کیا تھا۔ سیٹو اور سینٹو کا مقصد بھی چینی اثرات کو روکنا تھا۔ لیکن یہ معاہدے ناکام ثابت ہوئے۔ امریکی سامراج کی ناکامی کے بعد کریملن کے نئے زاروں نے یہ ذمہ داری قبول کی۔ برزنیف ٹولے نے ۱۹۶۹ء میں "ایشیائی

باقی صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں

نیپ نے سیاست کے دسترخوان پر پختون زلمے کا پہرا لگا دیا



ظاہری خبریں، اندرونی کہانیاں

کوثر نیازی اور مدیرِ شہباز کے درمیان راز و نیاز

اباسین

سننے میں آیا ہے کہ نیشنل عوامی پارٹی، سرخ پوش تحریک خدائی خدمت گار تحریک، پختون زلمے تنظیم اور پختون سٹوڈنٹس فیڈریشن کی مرکزی کونسلوں کے ایک مشترکہ اجلاس میں خان بہرام خان کے فرزند اور خان عبدالولی خان کے والد خان عبدالغفار خان کو درجۂ نبوت پر فائز کیا جانے والا ہے اور اُتمانزئی کے اس خاندان کو خاندانِ نبوت یا اہل البیت بہرام خان قرار دیا جانے والا ہے۔

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بہت سی کونسلوں کے اس ہنگامی اور سنسنی خیز اجلاس میں پاکستان کے تمام عوام خصوصاً مزدوروں، کسانوں اور بہت ہی خصوصاً صوبہ سرحد کے محنت کش کسانوں پر یہ فرض عائد کیا جانے والا ہے کہ وہ اس مبارک خاندان کے کسی بھی فرد کا نام لینے سے پہلے ڈیرہ اسماعیل خان کی مسواک سے دانت صاف کیا کریں اور کلی کر کے اپنا کام و دہن دھو لیا کریں۔

اس کے علاوہ یہ بھی فرض کر دیا جائے گا کہ جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اپنی نمازوں میں اور جو لوگ صرف کلمہ پڑھتے ہیں، وہ "مروجہ" کلمے کے بعد اُتمانزئی کے پیغمبر پر درود و سلام بھیجا کریں فرائض کی ایک بہت ہی طویل فہرست میں لوگوں پر یہ بھی فرض عائد کر دیا جائے گا کہ وہ اس "خاندانِ نبوت" کے ماضی حال یا مستقبل کے بارے میں کوئی ایسی حقیقت بیانی نہ کریں جس سے "خاندانِ نبوت" پہ حرف آنے کا امکان ہو البتہ تعریف و توصیف کے سلسلے میں جھوٹ اور مبالغے تک کی نہ صرف اجازت ہوگی بلکہ جھوٹ اور مبالغہ کرنے والوں کو خاندانِ بہرامیہ کی وسیع و عریض سلطنت میں معزز افراد میں شمار کیا جائے گا۔

جنابِ عالی، آپ یقیناً چکرا گئے ہوں گے یہ سب کیا تماشا



ہے اور میں کیا کہنا چاہتا ہوں، ایک ایسے دور میں جب کہ جھوٹے خداؤں اور جھوٹے پیغمبروں کے بت بیچ چوراہوں پہ پاش پاش ہو رہے ہیں۔ کسی نئے نبی کی آمد یقیناً حیرت ہی کی بات ہے اور آپ کی حیرت بجا ہے مگر جناب میں جو کچھ عرض کر چکا ہوں یا کرنے والا ہوں وہ بھی جھوٹ نہیں، کیونکہ صوبہ سرحد میں ان دنوں سچ مچ کچھ ایسا ہی کھیل کھیلا جا رہا ہے اور کچھ ایسی ہی مہم چلائی جا رہی ہے۔

جب سے نیشنل عوامی پارٹی عرف غفار خان پارٹی، یا عبدالولی خان پارٹی نے پاکستان کی حفاظت اور پاکستان کی محبت کا دعویٰ دائر کیا ہے اس دن سے صوبہ سرحد کی سیاست میں معجزے رُونما ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ معجزے اُسی نوعیت اور اہمیت کے حامل ہیں جو لاہور کے "دار النبوت" اچھرے میں ہوتے ہیں۔

قیامِ پاکستان تک یہ دونوں جماعتیں اور ان دونوں جماعتوں کے لیڈر اس خصوصیت کے ساتھ پہچانے جاتے تھے کہ ان کی گردنوں میں تحریکِ پاکستان کی مخالفت کے طوق تھے اور یہ لوگ پاکستان اور پاکستان بنانے والے یا تحریکِ پاکستان میں شامل ہر فرد کو انگریزوں کا ایجنٹ یا کافر کہتے تھے اور اب اتفاق سے یہ دونوں جماعتیں اور ان دونوں جماعتوں کے لیڈر نہ صرف اس ملک کے محافظ بن گئے ہیں۔ بلکہ اپنے سوا اس ملک کے ہر فرد کو ملک دشمن قرار دے رہے ہیں، صوبہ سرحد کے عوام اس معجزے کی ظاہری ہیئت سے تو اتنے عاجز نہیں ہوئے تھے البتہ انہیں اس پریشانی نے ضرور عاجز کر دیا ہے کہ اب وہ صوبہ سرحد کے عظیم موقع پرست سیاسی خاندان کے بارے میں لب کشائی بھی نہیں کر سکتے۔ کسی زمانے میں مُلا مودودی نے سوشلزم کا نام لینے والوں کی زبانیں گدی سے کھینچنے

بہرام خان کے کھیتوں میں ملنے والی ہندو کی لاش کس کی تھی؟

کے احکامات جاری کئے تھے جب کہ صوبہ سرحد میں ان دنوں "خاندانِ بہرامیہ" کے بارے میں لب کشائی یا انگشت نمائی کرنے والوں کی زبانیں کاٹنے کے احکامات جاری ہو رہے ہیں۔ خدا جانے "خاندانِ بہرامیہ" میں کون بزرگ قصاب یا جلّاد گزرے ہیں مگر جس شدت اور جس رفتار سے زبانیں کاٹنے اور ہاتھ توڑنے کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں ان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بزرگ جو کوئی بھی تھا، زبردست ہی تھا۔

نیشنل عوامی پارٹی والوں کو ان دھمکیوں کی ضرورت یوں پیش آئی ہے کہ صوبہ سرحد کے عوام نے ٹارزن کی واپسی کا تیسرا چوتھا اور پانچواں کھڑکی توڑ ہفتہ نہیں منایا، اور پاکستان کے دوسرے صوبوں کے عوام نے اِس ٹارزن کو اپنے ہاں سیاسی کرتب دکھانے کے لئے مدعو نہیں کیا، غصّے کی ایک وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے سرحدی گاندھی کی بن باس سے واپسی کے بعد ایسا سواگت نہیں کیا جو رام اور لکشمن کا ہوا تھا اور یہ کہ لوگوں نے "خاندانِ بہرامیہ" کے اس چشم و چراغ کے بارے میں پرانی کتھائیں کیوں کھولنی شروع کر دی ہیں اور کیوں عبدالولی خان کے باپو جی کے چھلکے اتار اتار کر بھارت ماتا اور اُس کے راون سوویت روس کو ننگا کرنا شروع کر دیا ہے۔

جنابِ عالی، مسئلہ کچھ بھی ہو، ہے بڑا نازک مسئلہ، اور اب تو یہ مسئلہ اپنی تمام تر نزاکتوں کے ساتھ کھلتا ہی چلا جا رہا ہے۔ کہتے ہیں خان عبدالغفار خان تو پاکستان پر مستو کئے بھی نہ تھے، وہ تو صرف اس لئے واپس چلے آئے ہیں کہ صدر بھٹو کو کئی مسئلوں میں ان کے مشوروں کی ضرورت تھی، اور انہیں کی مسلسل فرمائشوں پر نیپ والوں نے زرِ کثیر خرچ کر کے بوڑھے ٹارزن کو واپس بلایا تھا، کہتے ہیں صدر بھٹو کی یہ خواہش تھی کہ صوبہ سرحد کے عوام شکھ چین سے رہیں، آپس میں لڑائی جھگڑے نہ کریں اور یہ مقصد چونکہ عدم تشدد سے تعلق رکھتا تھا اس لئے انہوں نے نیپ والوں کو مجبور کیا کہ وہ صوبہ سرحد کے کسانوں کے جنگی جنون کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کافوری مزاج عبدالغفار خان کو کابل سے واپس بلا لیں۔ کہتے ہیں کابل والوں کو بھی اُن کی بڑی ضرورت تھی کیونکہ وہاں کے جوانوں میں بھی اب گرمی پھیلنے لگی ہے مگر چونکہ ان دنوں کابل میں پاکستان سے زیادہ سردی ہے اس لئے کسی خرابی کا امکان کم تھا چنانچہ انہوں نے بادلِ نخواستہ خاندانِ بہرامیہ کے ملک کافور خان زنگی کو پاکستان کے حوالے کر دیا کہ لو بھیا تم صوبہ سرحد کے کسانوں کے کوٹھوں اور کھلیانوں سے اٹھنے والے شعلوں کو ٹھنڈا کر لو۔ اور پھر چڑھتی گرمیوں میں ہماری امانت ہمیں واپس کر دینا۔ ہو سکتا ہے یہ روایت درست ہو یا محض صدر بھٹو پر احسان

مقوپنے کے لئے ہو مگر صوبہ سرحد میں خان عبدالغفار خان کی تازہ ترین مصروفیات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے مشن کا ہل چلانے میں مصروف ہیں، یہ ہل ان کو روسی ماہروں نے فراہم کیا ہے کیونکہ اس سے بہتر کھدائی کسی اور ہل سے ممکن ہی نہیں خصوصاً اس شہرت کے حوالے سے کہ یہ ہل بنگلہ دیش میں روسی ماہرین آزما چکے ہیں۔

لوگوں کا خیال تھا کہ سیاست ایک متنازعہ اور مشترکہ قسم کا مسئلہ ہوتا ہے، اور یہ مسئلہ اپنی عمومیت کے اعتبار سے کبھی کبھی مشغلہ بھی بن جاتا ہے جیسا کہ اصغر خان اور کئی دوسرے ماہرینِ سیاست کی مشغولیات سے ظاہر ہے، لیکن اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت اسے مشغلہ نہیں سمجھتی، اِسے ہنر سمجھتی ہے میں جن لوگوں کے حوالے سے بات کر رہا ہوں اُن کا تعلق یقیناً ملک کے اکثریتی طبقوں سے ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو سچے اور پرخلوص دِل کی سیاست کو معاشرتی علم اور طبقاتی معرفت کا ذریعہ سمجھتے

شہباز کا ایک تراشہ

ہیں۔ صوبہ سرحد کے لوگوں کا بھی یہی خیال تھا اور پاکستان کے دوسرے لوگوں کا بھی یقیناً یہی خیال ہوگا کہ سیاست کی مشترکہ میراث پر چھینا جھپٹی بھی ہوتی ہے اور ایک دوسرے کی کہنیوں کی چبھن بھی برداشت کرنی پڑتی ہے مگر لوگوں کو یہ جان کر حیرت ہوئی ہے کہ نیشنل عوامی پارٹی نے پاکستان کی سیاست کے دسترخوان پر پختون زلموں کا پہرہ لگا دیا ہے اور حکم جاری کر دیا ہے کہ خان عبدالغفار خان

ولد خان عبدالغفار خان ولد خان بہرام خان کے سیاسی کردار اور سیاسی اعمال کے بارے میں کسی قسم کی نئی یا پرانی کھدائی نہ کی جائے انہوں نے اپنے السیشن ترجمان کے ذریعے خلق خدا پر احکامات کی یلغار شروع کر دی ہے کہ ہوشیار۔ خبردار۔ خاندانِ بہرامیہ کے تقدس و تکریم کے خلاف کوئی بات نہ کی جائے۔ خبردار خان عبدالغفار خان کو درود و سلام کے بغیر یاد نہ کیا جائے۔ خبردار نعت خوانی کے بغیر ان کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ وغیرہ۔۔۔ وغیرہ۔۔۔

پچھلے دنوں لاہور کے ایک اردو اخبار نے خان عبدالغفار خان کو سیاست دان سمجھتے ہوئے اور اُن کے سیاسی عقائد کے بارے میں ایک خاص رویّے کا حق محفوظ رکھتے ہوئے عبدالغفار خان کی سیاسی جنم بھومی بھارت کے اخبارات اور بین الاقوامی اخبارات کے تراشوں اور حوالوں کے ساتھ اس نظریے کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی تھی جو غفار خان کے خصوصی سیاسی مزاج سے تعلق رکھتا تھا اور جس کی بعد ازاں تردید کی جاتی رہی تھی۔ اس مضمون کا سب سے زیادہ تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ اس میں دیئے گئے حوالوں کے ساتھ سن اور تاریخ بھی موجود تھے۔ جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ خان صاحب اپنی جملہ تردیدوں کے باوجود ۱۹۶۸ء تک بھی اسی پرانے عقیدے پر قائم تھے جس کا اظہار انہوں نے ۱۷ جون ۱۹۴۷ء کو بنوں میں کیا تھا، اور جس کی تکمیل کا وعدہ انہوں نے ۱۹۴۲ء میں مبینہ طور پر افغانستان کے ایک وزیراعظم کے ساتھ کیا تھا

اس مضمون سے نیپ کی شہرت کو نقصان پہنچنے کا احتمال اس لئے محسوس کیا گیا کہ ان دنوں پاکستان کی سیاست کے انجن کی ڈرائیوری بھارت ماتا کے راون کے ہاتھوں میں ہے جس کی پالیسی یہ ہے کہ کام پرانا کرو مگر ہتھیار نئے استعمال کرو۔ یعنی نام پاکستان کا لو اور جڑیں بھی پاکستان کی کاٹو۔ نام امن کا لو۔ اور رات دن خون مزدوروں اور کسانوں کا بہاؤ۔ نام سوشلزم کا لو۔ اور سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی سیوا کو دھرم بناؤ۔ یہ نسخہ آزمودہ نسخہ سمجھا جاتا ہے چنانچہ نسخے کی اہمیت اور اُس کے مزاج کے اعتبار سے لاہور کے اخبار میں شائع ہونے والا مواد انجن

وزیرِ اطلاعات نے معافی مانگ لی

سر شاہنواز بھٹو اور چیئرمین پیپلز پارٹی مسٹر ذوالفقار علی بھٹو

روزنامہ **شہباز** پشاور

نے

روزنامہ "مساوات" لاہور کی لغویات کے جواب میں۔

سر شاہنواز بھٹو مرحوم کی شخصیت کے اصل خدوخال سے پردہ اُٹھانے کا فیصلہ کیا تھا

لیکن

وزیر اطلاعات مولانا کوثر نیازی کی درخواست پر اِسے فی الحال ملتوی کیا جاتا ہے۔

اگر "مساوات" نے دوبارہ ایسی روش اختیار کی تو ہمیں مجبوراً اسی زبان میں جواب دینا پڑے گا۔

صفحہ ۲ پر مضمون مولانا کوثر نیازی کی یقین دہانی سے پہلے پریس میں اشاعت کے لئے جاچکا تھا۔

کے رُخ کو موڑ سکتا ہے یا اس کی رفتار روک سکتا تھا چنانچہ اس مضمون کے چھپتے ہی خاندان بہرامیہ میں کہرام برپا ہو گیا۔ بھاگو۔ دوڑو۔ پکڑو۔ روکو۔ یوں سمجھ لیجیے صاحب ایک قیامت ہی آگئی، عبدالولی خان کے اسٹیشن نے ایک ہی سانس میں اتنے راگ الاپ دیئے کہ شمار کرنا محال ہو گیا۔

اخبار کے خلاف اخبار کی جنگ صحت مند جمہوریت کی مثال سمجھی جاتی ہے مگر سرحد اور بلوچستان میں پیش کی جانے والی جمہوری مثالوں کے تنوع نے جنگ کی جو رسم ڈالی ہے اس میں ایک دلچسپ اضافہ یہ ہوا ہے کہ نیپ والوں نے خان عبدالغفار خان کو صدر بھٹو کے والد سر شاہنواز بھٹو سے ضرب دینی شروع کر دی اور اشتہار شائع کرنا شروع کر دیا کہ وہ عنقریب ایسی دستاویزات شائع کریں گے جو سر شاہنواز بھٹو کا کچا چٹھہ کھول دیں گی جو یہ ثابت کر دیں گی کہ سر شاہنواز بھٹو پاکستان کے مخالف تھے، اور خود صدر بھٹو ایک طویل عرصہ تک بھارتی شہری تھے وغیرہ... وغیرہ

عبدالولی خان کے والد عبدالغفار خان کے خلاف سیاسی نقطۂ نظر کے اظہار کے اس انوکھے توڑ پر لوگوں نے حیرت کے علاوہ دلچسپی کا اظہار بھی کیا، حیرت کا اظہار اس لئے کہ وہ خان عبدالغفار خان کی ذات کے بارے میں سیاسی خیالات کے اظہار کو جمہوری حقوق کے مطابق جائز سمجھتے ہیں اور توقع کرتے ہیں کہ ایک کیمپ سے جو اعتراض کیا جاتا ہے دوسرے کیمپ سے اس اعتراض کا یا تو مسکت جواب دیا جائے یا پھر ان غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے جو وجہ اعتراض بنتی ہیں۔ لوگوں کی حیرت کی وجہ یہ بھی تھی کہ نیپ والوں نے ایک طرف تو خان عبدالغفار خان کو معصوم عن الخطا قرار دینے کی مہم شروع کر دی اور دوسری جانب ایک ایسے شخص کو جوابی کارروائی کے لئے منتخب کر لیا جو دنیا میں موجود نہ ہونے کے علاوہ ملک کے صدر کا باپ بھی کہلاتا ہے۔ لوگوں کو اس محاذ آرائی میں سیاست کم اور ذاتی تحفظ کی چال دکھائی تو دی مگر انہوں نے اس میں دلچسپی کا اظہار اس لئے کیا کہ چلو تاریخ جغرافیے کی معلومات ہو جائے اور سر شاہنواز بھٹو کی سیاسیات پر بھی کچھ روشنی پڑ جائے۔ مگر ہوا یہ کہ لوگ نیپ والوں کے انکشافات سے محروم رہ گئے۔

شور سنتے تھے کہ غالبؔ کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا۔

یعنی اس جنگ میں مولانا کوثر نیازی صاحب کو دڑپے انہوں نے پبلشر عبدالولی خان کے اخبار شہباز کے منیجنگ ایڈیٹر سے ٹیلیفون پر "اپیل" کر دی کہ یہ سلسلہ بند کر دیا جائے

ادھر سندھ سے سابق وزیر دفاع محمد ایوب کھوڑو کا ایک اشتہار بھی شائع ہوا جس میں شہباز اور نیپ والوں کو تنبیہ دی گئی تھی کہ وہ ایک مرحوم محترم سندھی رہنما کی شان میں کسی قسم کی گستاخی سے گریز کریں ورنہ-----

سچ پوچھئے تو اس مسئلے میں کئی قسم کے گھپلے ہوتے ہیں۔

اصل مسئلہ یہ تھا کہ خان عبدالغفار خان اور ان کے ساتھی جو پاکستان کی سیاست میں ابھی تک ملوث ہیں ان اعتراضات کا جواب دیں جو ان پر کئے جاتے ہیں یا وہ سیاسی اعتراضات اور اعتراضات میں پیش کئے جانے والے حوالوں کو برداشت کریں کہ یہی سیاسی نیک چلنی کا اسلوب ہے اور اگر یہ ضروری ہے کہ اعتراضات کا جواب اعتراضات ہی میں دیا جائے تو اس ڈنڈی ماری میں عوام کو ملوث نہ کیا جائے، یہ کام خط و کتابت کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے، نیپ والوں نے اس مسئلے کے دوران دوہری ڈنڈی ماری ہے ایک یوں کہ انہوں نے اصل مسئلے کو گول کر دیا اور لوگوں کی توجہ عبدالغفار خان کی مصروفیات سے ہٹانے کی کوشش شروع کر دیں۔ اور دوسری طرف انتہائی موقع پرستانہ طریقے سے ایک ایسی شخصیت کو "تنقید" کے لئے منتخب کیا جس کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ دنیا میں موجود نہ ہونے کے علاوہ ڈھال بن سکتی ہے۔ انہیں اس بات کا علم تھا کہ جب وہ سر شاہنواز بھٹو کو گالی دیں گے تو ضرور یہ گالی ایوانِ صدر تک پہنچے گی اور ضرور بیچ بچاؤ کرنے والے کود پڑیں گے اور پھر ایک ایسا سمجھوتہ یا معاہدہ طے ہو جائے گا جس سے خان عبدالغفار خان اور پورے کا پورا خاندان بہرامیہ انکشافات اور اعتراضات کی زد سے محفوظ ہو جائے گا۔ اور ہوا بھی یہی۔ مولانا کوثر نیازی آتشِ نمرود میں کود ہی پڑے۔ انہوں نے جھنڈی ہلا دی۔ بس بس — ہو گیا کام۔

اس سارے قصے کے ساتھ ایک اور قصہ بھی وابستہ ہے اور وہ قصہ مولانا کوثر نیازی کا قصہ ہے جو کچھ یوں ہے کہ شہباز کی سر شاہنواز کے خلاف مہم میں انہوں نے مرکزی کردار انجام دیا ہے، سننے میں آیا ہے کہ جب سے پیپلز پارٹی کی ہائی کمان نے پنجاب کے گورنر کے ایک مشیر ڈاکٹر غلام حسین کو وزارتِ اطلاعات کا قلمدان دینے کی کھسر پھسر شروع کی ہے مولانا صاحب بے حد پریشان تھے۔ حج بیت اللہ سے روحانی تسکین حاصل کرنے کے باوجود ان کی راتوں کی نیند حرام تھی۔ انہیں اپنی ساری کرّ و فر جاتی نظر آ رہی تھی۔ اور وہ اس موقع کی تلاش میں تھے کہ صدر بھٹو کو خوش کریں اور نمبر بنائیں۔ بڑی کوششوں کے باوجود انہیں کوئی حربہ ہاتھ نہ آسکا تھا۔ اتفاق سے پیپلز پارٹی کے ترجمان نے عبدالولی خان کے باپ عبدالغفار خان کے بارے میں شہرۂ آفاق مضمون چھاپ دیا۔ مضمون کا چھپنا تھا کہ مولانا کی باچھیں کھل گئیں۔ انہوں نے فوراً اپنے پرانے رفیق شریف فاروق سے رابطہ قائم کیا۔ (جو شہباز کے منیجنگ ایڈیٹر ہیں) اور پھر اگلے روز سر شاہنواز بھٹو کے بارے میں نیپ کے ترجمان نے مہم شروع کر دی۔ وہ کئی روز تک اشتہار تو شائع کرتے رہے مگر انکشاف کوئی نہ کر سکے کہ اس کی اجازت ہی نہ تھی چنانچہ مولانا کوثر نیازی نے ایوانِ صدر میں اشارتاً اس جنگ کا تذکرہ کرنے کے بعد غالباً ایوانِ صدر ہی سے شریف فاروق سے دوبارہ فون پر بات چیت کی اور اس جنگ کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اور یوں جناب شریف فاروق اور جناب کوثر نیازی دونوں کا بھلا ہو گیا، خصوصاً مولانا کوثر نیازی کا، کہ ان کا معاملہ زیادہ خطرناک تھا جب کہ اب وہ کسی حد تک مطمئن ہو گئے ہیں، اپنے طور پر وہ صدر بھٹو کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ حضور بندہ آپ کو ہمیشہ ایسی آفاتِ ناگہانی سے بچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اس مضمون کا خلاصہ یوں ہے کہ نیپ والے بڑے خوش نظر آتے ہیں، کہ چلو جان چھوٹی۔ شریف فاروق صاحب خوش ہیں کہ چلو مولانا کے ساتھ رشتہ مزید مستحکم ہو گیا، عبدالولی خان خوش ہیں کہ اب اُن کی اور اُن کے باپ کی شخصیتوں کو تنقید سے بالاتر ہونے کی سند مل گئی ہے مولانا خوش کہ چلو ڈاکٹر غلام حسین کا خطرہ کچھ دنوں کے لئے ٹل گیا۔ عوام بھی خوش ہیں، اور بہت خوش ہیں وہ اسلئے خوش ہیں کہ شہباز کی اس جنگی حکمتِ عملی سے انہیں سیاسی اور نظریاتی طور پر فائدہ پہنچا ہے ان کے علم میں ایک اضافہ ہوا ہے اور وہ یہ کہ ایک ہی طبقے کے لوگ ایک دوسرے کیخلاف نہیں لڑتے ایک ہی طبقہ کے لوگ ایک دوسرے کو ننگا نہیں کرتے۔ ایک

باقی صفحہ ۲۵ پر ملاحظہ فرمائیں

حکومت اور ۲۲ خاندان

صنعت کاروں اور منصوبہ بندی کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین کے درمیان سمجھوتہ

مرکزی بجٹ کی ٹیکسیشن پالیسی میں سرمایہ دار ہاتھ بٹائیں گے

الفتح رپورٹ

باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ حکومتِ پاکستان اب ۲۲ متمول ترین خاندانوں کو "خوش" کرنے کے لئے ان کے حسبِ منشا پالیسیاں بنا رہی ہے۔

جب پیپلز پارٹی نے انتخابات میں کامیابی حاصل کی تھی تو ان ۲۲ خاندانوں کی اُمیدوں پر اوس پڑ گئی تھی۔ پیپلز پارٹی نے اپنے منشور میں عوام سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ برسرِ اقتدار آنے کے بعد تمام بڑے کارخانوں کو قومی ملکیت میں لے لے گی۔ یہ ۲۲ خاندان اتنے خائف تھے کہ انہوں نے الیکشن کے دوران ہی اپنا سرمایہ غیر ممالک میں منتقل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور جب حکومت نے ابتداء میں سرمایہ داروں کے خلاف سخت اقدامات کئے تو وہ بوکھلا اٹھے۔ چند بڑے سرمایہ داروں کو ان کے گھروں میں نظر بند کیا گیا تو ان کے شکوک یقین میں بدل گئے۔

لیکن یہ سرمایہ دار ہمت ہارنے والے نہیں تھے۔ وہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں معیشت کو پوری طرح اپنے کنٹرول میں رکھتے ہیں، اس لئے وہ حکومتوں کی ٹوٹ پھوٹ میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے کچھ اپنا اثر استعمال کیا، اور کچھ غیر ملکی طاقتوں کا سہارا لیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب حکومت ان کی طرف نمایاں طور پر جھکتی نظر آ رہی ہے۔

مانچسٹر کے اخبار "مانچسٹر ایوننگ نیوز" نے اپنی ۹ جنوری ۷۳ء کی اشاعت میں یہ انکشاف کیا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے کراچی میں بڑے بڑے صنعت کاروں اور قمر الاسلام، ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی کمیشن کے درمیان ایک میٹنگ ہوئی۔ اس میٹنگ میں قمر الاسلام نے صدر بھٹو کی نمائندگی کرتے ہوئے، ۲۲ خاندانوں کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ ان تمام شعبوں میں سرمایہ کاری کریں، جو ان سے واپس لے لئے گئے تھے۔

واضح رہے کہ "مانچسٹر ایوننگ نیوز" کی یہ خبر، جس کے رپورٹر آرنلڈ زٹلین ہیں، حکومتِ پاکستان کے پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے جاری کردہ "فارن پریس ڈائجسٹ" میں شائع ہوئی ہے۔ اس لئے یہ مصدقہ خبر ہے۔

"مانچسٹر ایوننگ نیوز" کے مطابق منصوبہ بندی کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین قمر الاسلام نے سرمایہ داروں سے یہ کہا ہے کہ وہ انجینئرنگ، پیٹرو کیمیکل اور فرٹیلائزر انڈسٹریز میں شرکت کریں۔ انہیں اس بات کی یقین دہانی بھی کرائی گئی ہے کہ انتظامیہ میں بھی انہیں پورا عمل دخل حاصل ہوگا۔ واضح رہے کہ ان تین شعبوں کے علاوہ آٹھ دوسرے شعبوں میں نجی سرمایہ کاری کی مخالفت کر دی گئی تھی۔ اور حکومت نے اس قسم کے ۳۲ نجی اداروں کا انتظام خود سنبھال لیا تھا۔

حکومت کی پالیسی میں یہ تبدیلی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ "سوشلزم" کے اصولوں کو ترک کر کے ۲۲ سرمایہ دار خاندانوں کو اس بات کا یقین دلایا جا رہا ہے کہ حکومت نجی سرمایہ کاری پر کوئی ضرب لگانے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ اس لئے انہیں چاہیئے کہ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ، بلا خوف و خطر سرمایہ لگائیں۔

آگے چل کر "مانچسٹر ایوننگ نیوز" لکھتا ہے کہ صدر بھٹو کی جانب سے سرمایہ داروں سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اگلے مرکزی بجٹ کی ٹیکسیشن پالیسی مرتب کرنے میں ہاتھ بٹائیں۔ اس کے علاوہ صدر بھٹو کی جانب سے یہ تجویز بھی پیش کی گئی ہے کہ صنعت کاروں اور حکومت میں اشتراک پیدا کرنے کے لئے اعلیٰ اختیارات کی حامل ایک پانچ رکنی کمیٹی بنائی جائے۔

ان تمام اقدامات کی روشنی میں باخبر حلقے اس بات کا تجزیہ اس طرح کر رہے ہیں کہ حکومت کی طرف سے مخلوط معیشت کا ایک غیر موثر نظام پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ تاکہ ۲۲ خاندان دل جمعی کے ساتھ کام کریں اور اپنے سرمائے کو محفوظ سمجھیں۔ اس دوران سیٹھ احمد داؤد نے جنہیں گزشتہ سال جنوری میں چند ہفتوں کے لئے نظر بند کر دیا گیا تھا، جاپان کے اشتراک سے بننے والے فرٹیلائزر پلانٹ میں روپیہ لگانے کا وعدہ کیا ہے۔

"مانچسٹر ایوننگ نیوز" کے مطابق قمر الاسلام نے یہ بھی کہا ہے کہ پاکستان کے سرمایہ دار جان بوجھ کر غیر ممالک میں پاکستانی معیشت کی غلط تصویر پیش کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے غیر ملکی اداروں سے قرضوں کا حصول مشکل ہو جاتا رہا ہے۔

اگر مندرجہ بالا خبر کو سامنے رکھا جائے تو حکومت کا یہ اقدام کہ وہ سرمایہ داروں کو مختلف قسم کی مراعات دے رہی ہے، بڑا معنی خیز نظر آتا ہے۔ ایک طرف تو اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ سرمایہ دار ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت غیر ممالک میں پاکستان کو بدنام کر رہے ہیں، اور دوسری طرف حکومت ان کو کوئی سزا دینے کی بجائے مراعات کی پیش کش کر رہی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی مصلحت ہے جو حکومت کو ان سرمایہ داروں کا احتساب کرنے سے روک رہی ہے۔ اگر یہ سرمایہ دار غیر ممالک میں پاکستان کی رسوائی کا سامان فراہم کر رہے ہیں تو ان کے خلاف احتسابی کارروائیاں کی جانی چاہئیں تھیں۔ یہاں الٹا انہیں گلے لگایا جا رہا ہے۔ ٹھوڑیاں چھو کر انہیں منایا جا رہا ہے۔ الٹی گنگا بہتے دیکھو اور خاموش رہو، حکومت کا یہی مدعا ہے۔

قمر الاسلام نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حکومت نے جن ۳۲ اداروں کا انتظام سنبھالا ہے، ان میں بڑے پیمانے پر دھاندلیاں پائی گئی ہیں۔ یہ اعتراف بجائے خود سرکاری مشینری کی نااہلیت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ حکومت تمام ذرائع کی مالک ہونے کے باوجود ان اداروں کی بدعنوانیاں کو ختم نہیں کر سکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سرکاری افسران اور وزراء دونوں ہاتھوں سے دولت بٹور رہے ہیں۔ جب خود ذمہ دار لوگ ایسی حرکتیں کریں گے تو یہ برائیاں نیچے تک کیسے نہیں پھیلیں گی۔ ان بدعنوانیوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف سرمایہ دار ہی اس قسم کے اداروں کو چلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اگر حکومت کے وزراء اور افسران پر کڑی نگرانی کی جائے تو یہ ادارے ہُن برسانے لگیں گے لیکن یہاں تو عالم یہ ہے کہ ہر شعبے میں نوکر شاہی کے کارندے اور ان کی نگرانی کرنے والے وزراء خود ہی لوٹ مار کر رہے ہیں۔

گزشتہ دنوں عزیز احمد کا وزیر مملکت برائے امورِ خارجہ و امورِ دفاع کی حیثیت سے تقرر بھی بڑا معنی خیز ہے۔ عزیز احمد امریکہ نواز کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اور امریکہ سرمایہ دارانہ نظام کا سب سے بڑا پرچارک ہے۔

اس طرح یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ عزیز احمد کی تقرری پاکستانی سرمایہ داروں کے حوصلے بلند کر دے گی۔ اور انہیں اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ موجودہ حکومت سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔

کاٹن ٹیکسٹائل انڈسٹری میں مزدوروں اور روزگار کے بارے میں چند حقائق

مختلف حلقوں میں وسیع پیمانے پر غلط بیانیوں اور اشاعت کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا گیا کہ ہم اپنے ممبر ٹیکسٹائل ملوں سے صحیح اعداد و شمار حاصل کر کے عوام کے سامنے پیش کریں۔ چنانچہ ہم ذیل میں چھانٹی، برطرفی، ملازمین کے استعفوں اور بہت سے یونٹوں میں نئی بھرتی کے بارے میں چند حقائق پیش کر رہے ہیں۔

یہ اعداد و شمار صوبہ سندھ کے ۷۶ ٹیکسٹائل ملوں کے بارے میں ہیں۔

برسر روزگار مزدوروں کی تعداد

یکم جنوری ۱۹۷۳ء : ۹۳،۶۹۶
یکم جنوری ۱۹۷۲ء : ۸۲،۱۲۱
اضافہ ۱۴۰۰۹ فیصد

مزدوروں کی تعداد جن کی چھانٹی کی گئی اور / یا جو برطرف کئے گئے

مدت : یکم نومبر ۱۹۷۲ء تا یکم جنوری ۱۹۷۳ء

چھانٹی کی گئی : ۱۹ ۰۰۰۲ فیصد
برطرف کئے گئے : ۵۹۲ ۰،۶۳ فیصد
میزان : ۶۱۱ ۰،۶۵ فیصد

مزدوروں کی تعداد جو ڈیوٹی پر حاضر نہیں ہوتے یا وفات پا گئے

مزدوروں کی تعداد : ۷۵۵ ۰.۸۱ فیصد

مزدوروں کی تعداد جنہوں نے استعفیٰ دے دیا

مدت : یکم نومبر ۱۹۷۲ء تا یکم جنوری ۱۹۷۳ء

مزدوروں کی تعداد : ۴۴۵۳ ۴.۷۱ فیصد

نئے بھرتی کئے گئے مزدوروں کی تعداد

مزدوروں کی تعداد ۶۷۵۹ ۷.۲۱ فیصد

نوٹ : ۶۱۱ (۰.۶۵ فیصد) مزدوروں کی چھانٹی اور / یا برطرفی کے مقابلے میں انڈسٹری نے صرف دو مہینوں میں ۶۷۵۹ (۷.۲۱ فیصد) نئے مزدور بھرتی کئے۔ جیسے جیسے صنعتوں میں حالات معمول پر آتے جائیں گے، انفرادی پلانٹ کی گنجائش کے مطابق انشاءاللہ نئی بھرتی کی تعداد بڑھتی جائیگی۔ یہ بات نہایت اہم ہے کہ برطرف شدہ چھانٹی کئے گئے، ڈیوٹی پر حاضر ہونیوالے اور / یا وفات پا جانیوالوں کے مقابلے میں نئے بھرتی کئے جانیوالوں کی تعداد ۵۳۹۳ زیادہ ہے۔

جاری کردہ : آل پاکستان ٹیکسٹائل ملز ایسوسی ایشن (سندھ۔ بلوچستان زون)
برائے اطلاع عام

ملز مالکان پر ڈی پی آر کا اطلاق کیوں نہیں کیا جاتا۔؟

سندھ کی ۴۱ ملوں سے ۴۲۱۷ مزدوروں کو برطرف کر دیا گیا

وہاب صدیقی

۳ فروری ۱۹۷۳ء کے تمام اخبارات میں آل پاکستان ٹیکسٹائل ملز ایسوسی ایشن (سندھ) کی جانب سے ۳۰ انچ کا لمبا چوڑا اشتہار شائع کیا گیا۔ جس میں صوبہ سندھ کے ۷۶ ٹیکسٹائل ملوں کے مزدوروں اور روزگار کے بارے میں اعداد و شمار دیئے گئے۔ حقائق کو جس طرح مسخ اور توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا وہ سرمایہ داروں ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔ آیئے ایسوسی ایشن کے مہیا کردہ اعداد و شمار کا پوسٹ مارٹم کریں۔

آل پاکستان ٹیکسٹائل ملز ایسوسی ایشن نے دعویٰ کیا ہے کہ یکم جنوری ۷۳-۱۹۷۲ء کے دوران برسرِ روزگار مزدوروں کی تعداد میں ۱۴.۰۹ فی صد کا اضافہ ہوا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۷۲ء کے پورے سال میں ملوں کی مشینوں کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ مزید سرمایہ کاری نہیں کی گئی۔ ملوں کی پیداواری گنجائش اتنی ہی ہے، جتنی ۷۱ء یا اس سے قبل تھی۔ جب ملوں کی پیداواری گنجائش میں اضافہ نہیں ہوا تو مزدوروں کی تعداد میں اضافہ کیسے ہو گیا؟ اگر ایسوسی ایشن کے مہیا کردہ اعداد و شمار صحیح ہیں تو پھر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ملز مالکان نے گزشتہ سالوں میں ملوں کی پیداواری گنجائش کے مطابق مزدور ملازم نہیں رکھے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب حکومت نے گنجائش ٹیکس (CAPCITY TAX) لگایا تو ملز مالکان نے ٹیکس سے بچنے کے لئے ملوں کے بعض شعبوں کو بالکل بند کر دیا، یا پھر جزوی طور پر بند کر دیا۔ بعض ملوں میں مشینوں کی تعداد بھی کم کر دی گئی۔ خام مال بھی کم کر دیا گیا۔ اور اس طرح سے مزدوروں کی چھانٹی کا جواز پیدا کیا، اور وسیع پیمانے پر چھانٹی کی گئی۔ ولیکا ملز میں ۱۹۶۳ء میں تقریباً چھ ہزار مزدور کام کرتے تھے۔ لیکن اب مزدوروں کی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اس طرح ایک طرف سرمایہ دار ٹیکس بچا رہے ہیں اور دوسری جانب مصنوعی قلت پیدا کر کے قیمتوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔

ایسوسی ایشن نے چھانٹی اور برطرفی سے متاثر ہونے والے مزدوروں کی تعداد ۶۱۱ بتائی ہے۔ یہ بیان سفید جھوٹ ہے۔ صداقت سے عاری ہے۔ کراچی، کوٹری، حیدرآباد کے صرف ۴۱ ملوں سے ۴۲۱۷ مزدوروں کو برطرف کیا گیا۔ تفصیل یہ ہے ——

لانڈھی

ملز کا نام	برطرف شدہ مزدوروں کی تعداد
۱۔ گل احمد ٹیکسٹائل ملز	۶۸۲
۲۔ حسینی ٹیکسٹائل ملز	۳۹۰
۳۔ آدم جی ٹیکسٹائل ملز	۷۷
۴۔ داؤد کاٹن ملز	۴۴
۵۔ فردوس ٹیکسٹائل ملز	۳۰
۶۔ العطا ٹیکسٹائل ملز	۱۰
۷۔ اولمپیا	۱۲
۸۔ گلوبل	۷۲
۹۔ نیشنل اسٹیل ملز	۲۸
۱۰۔ گلبرگ ٹیکسٹائل ملز	۱۲
۱۱۔ مشین ٹول فیکٹری	۸۰
میزان	۱۴۳۷

منگھوپیر

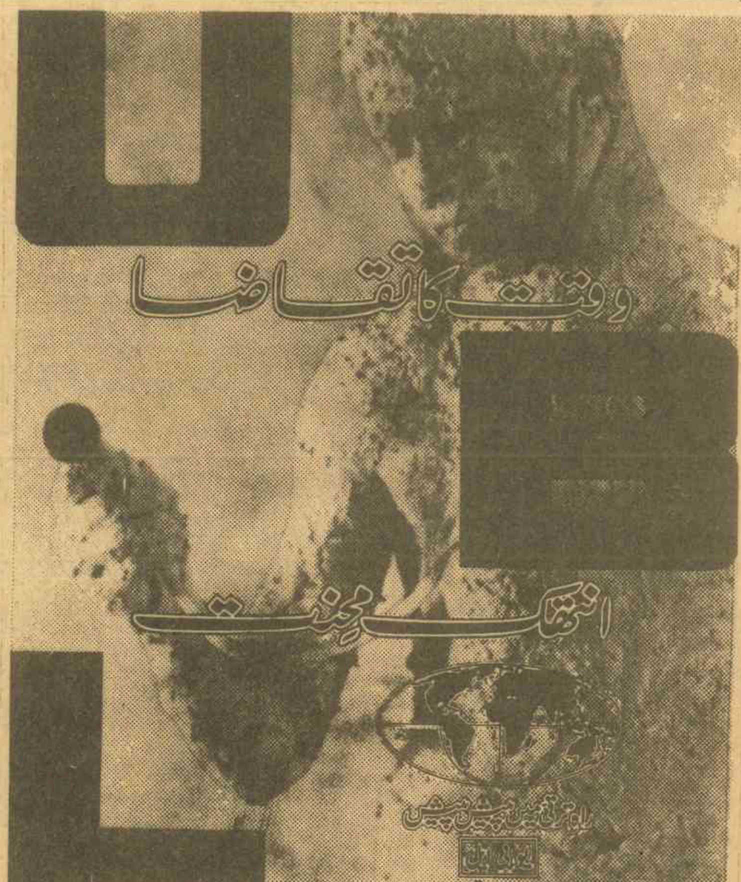
۱۔ رشید ٹیکسٹائل ملز	۳۱
۲۔ شالیمار سلک ملز	۳۰
۳۔ جوبلی	۵
۴۔ چیمپئن	۴
۵۔ ولیکا ٹیکسٹائل ملز	۳۰
۶۔ حبیب ٹیکسٹائل	۳۲
۷۔ فیروز سلطان	۴۰
۸۔ النظمت	۴۰
۹۔ چوہدری تھریڈ بال	۱۰
۱۰۔ باٹلے ماچس	۱۱
۱۱۔ شکیل سلک	۳۰
۱۲۔ احمد سلک	۲۵
۱۳۔ حیدری ٹن	۳۲
۱۴۔ باوانی انڈسٹریز	۲۰۶
۱۵۔ زیب تن ٹیکسٹائل ملز	۸۲
میزان	۶۰۳

کوٹری

۱۔ لیکسن ٹوبیکو	۱۰۰
۲۔ نگینہ ٹیکسٹائل ملز	۵۰
۳۔ عوامی ٹیکسٹائل ملز	۳۰۰
۴۔ اٹلس ٹیکسٹائل ملز	۳۰۰
۵۔ پریمیر ٹینریز	۱۲
۶۔ کوئٹہ ٹیکسٹائل ملز	۱۰۰
۷۔ کریم کاٹن	۳۰۰
۸۔ نور ٹیکسٹائل ملز	۱۰۰
۹۔ دیوان ٹیکسٹائل ملز	۱۰۰
میزان	۱۳۶۲

حیدرآباد

۱۔ فتح ٹیکسٹائل	۲۰۰
۲۔ جوپیٹر ٹیکسٹائل	۵۰
۳۔ محمدی ٹیکسٹائل	۳۰
۴۔ سیمو ٹا ملز	۸۰
۵۔ مہر ٹیکسٹائل	۲۰۰
۶۔ کافکاٹ ٹیکسٹائل	۲۵۰
میزان	۸۱۰



ایسوسی ایشن کے اشتہار میں یکم نومبر ۷۲ء تا یکم جنوری ۱۹۷۳ء کے دوران مستعفی ہونے والے مزدوروں کی تعداد ۴۴۵۳ بتائی گئی ہے۔ صرف دو ماہ کے قلیل عرصے میں اتنے مزدوروں کا استعفیٰ دینا، حیرت انگیز ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ مزدور آرام کرنے یا ہنی مون منانے کے لیے ملازمت سے استعفیٰ نہیں دیتا۔ وہ اسی وقت استعفیٰ دیتا ہے، جب دوسری جگہ اچھی ملازمت مل جائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ استعفیٰ دینے والے یہ ساڑھے چار ہزار مزدور کہاں گئے؟ دوسری جگہ ملازمت ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ گزشتہ دو برسوں میں کوئی نیا ٹیکسٹائل ملز نہیں لگایا گیا۔ پرانے ملوں میں نہ تو مزید مشینری لگائی گئی، اور نہ ہی شعبوں میں توسیع کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملز انتظامیہ مزدوروں کی برطرفیوں کے سلسلے میں جو مختلف طریقے اختیار کرتی ہے، ان میں ایک طریقہ استعفیٰ کا بھی ہے۔ یہ طریقہ سہل اور زیادہ فائدے مند ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ انتظامیہ کسی مزدور کو برطرف کرنا چاہتی ہے تو اسے طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کر دیتی ہے تاکہ وہ مجبور ہو کر استعفیٰ دے دے، لیکن اگر مزدور "سخت جان" ہے تو وہ استعفیٰ نہیں دیتا۔ تب انتظامیہ دوسرا طریقہ اپناتی ہے۔ اپنے پالتو غنڈوں سے پٹواتی ہے، اور زبردستی استعفیٰ لکھوا لیتی ہے۔ یا اپنی زرخرید پولیس کو اشارہ کرتی ہے۔ وہ مزدور کو تھانے میں بلوا کر زدوکوب کرتی ہے اور پہلے سے تحریر کردہ استعفیٰ پر دستخط یا انگوٹھا لگوا لیتی ہے۔

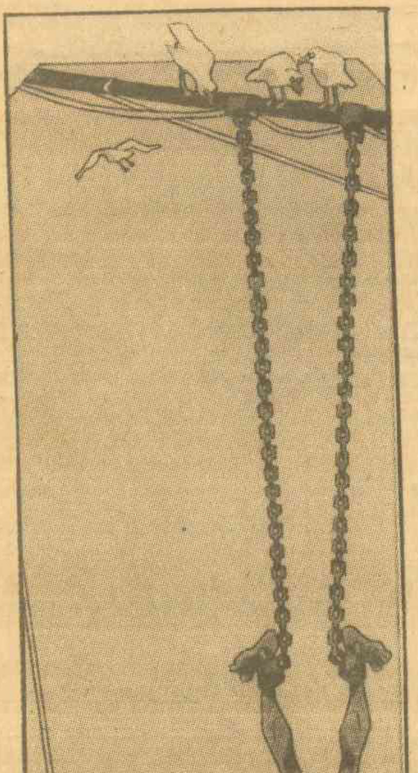
جنوری ۷۲ء میں جب معراج محمد خان صدر کے مشیر کی حیثیت سے کراچی میں برطرف شدہ مزدوروں کو بحال کرانے کی جدوجہد کر رہے تھے تو ایک ملز کی انتظامیہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ "ان مزدوروں نے استعفیٰ دیا تھا، اس لئے انہیں بحال نہیں کیا جا سکتا۔" انتظامیہ نے مزدوروں کے استعفے بھی دکھائے۔ یہ استعفے سائیکلو اسٹائل تھے۔ اب آپ خود ہی بتائیے کہ کیا کوئی اپنا استعفیٰ سائیکلو اسٹائل کراتا ہے۔ جس کے پاس ایک وقت کی روٹی کے لئے پیسے نہ ہوں، وہ اپنے استعفیٰ کے لئے پانچ روپے کس طرح خرچ کر سکتا ہے۔ معراج محمد خان نے یہی نقطہ پکڑ لیا اور جب تحقیقات کی گئیں تو معلوم ہوا کہ یہ استعفیٰ انتظامیہ نے سائیکلو اسٹائل کرائے تھے۔ اور مزدوروں کو زبردستی دستخط کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔

آل پاکستان ٹیکسٹائل ملز ایسوسی ایشن جن مزدوروں کو مستعفی بتا رہی ہے۔ دراصل ان سے زبردستی استعفے لئے گئے ہیں۔

خیر! ایسوسی ایشن کا ذکر چھوڑیئے، یہ تو ملز مالکان کی حمایت ہے۔ اور اس کے قیام کا مقصد ہی سرمایہ داروں کے مفادات کا

صرف گل احمد ٹیکسٹائل ملز میں

۶۸۲ مزدوروں کو برطرف کیا گیا



تحفظ کرنا ہے۔ لیکن حیرت تو اس بات پر ہے کہ مرکزی وزیرِ محنت رانا محمد حنیف نے جو ہر بیان اور تقریر میں عوام کا نمائندہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ۴ فروری کو سرمایہ داروں جیسا بیان اختیار کیا۔ فرمایا کہ "بعض مزدور رہنماؤں کی جانب سے کراچی میں ڈھائی ہزار مزدوروں کی برطرفیوں اور چھانٹی کی شکایت کی گئی ہے، وہ درست معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ متاثرہ مزدوروں نے جونیئر لیبر کورٹوں سے ابھی تک رجوع نہیں کیا۔" روزنامہ "سن" کراچی کے برطرف شدہ صحافیوں کی بحالی کے سلسلے میں وزیر موصوف نے "مشورہ" دیا کہ "انہیں لیبر کورٹ سے رجوع کرنا چاہیئے، کیونکہ حکومت کے پاس ایسے اختیارات نہیں ہیں کہ وہ کسی کارکن کی بحالی کے سلسلے میں احکامات جاری کر سکے۔"

مرکزی وزیرِ محنت کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ برطرفیوں اور چھانٹیوں سے متاثر ہونے والے مزدوروں کی تعداد سے لاعلم ہیں۔ اگر انہیں علم ہوتا تو وہ مزدور رہنماؤں کی شکایت کو غلط ثابت کرنے کے لئے برطرف شدہ مزدوروں کی تعداد بتاتے، اور یہ دلیل نہ دیتے کہ متاثرہ مزدوروں نے جونیئر لیبر کورٹوں سے ابھی تک رجوع نہیں کیا، اس لئے یہ تعداد غلط ہے۔ کیا وزیر موصوف بتا سکتے ہیں کہ برطرفیوں اور چھانٹی سے متاثر ہونے والے مزدوروں کی صحیح تعداد کیا ہے۔ کیا اس سلسلے میں کوئی فہرست تیار کی گئی ہے؟ اور وہ فہرست نوکر شاہی کی تیار کردہ ہے، یا پیپلز پارٹی کے کارکنوں کی؟ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے پاکستان پیپلز پارٹی نے اس قسم کی کوئی فہرست تیار نہیں کی ہے۔ رہ گئی نوکر شاہی کی تیار کردہ فہرست، تو سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کے گٹھ جوڑ کو دیکھتے ہوئے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس فہرست میں وہی تعداد بتائی گئی ہوگی، جو ملز مالکان بتاتے ہیں۔

جہاں تک "لیبر کورٹ سے رجوع کرنے" کے مشورہ کا تعلق ہے، کیا وزیرِ محنت بتا سکتے ہیں کہ مزدور کو کتنی اجرت ملتی ہے؟ جس کو دو وقت پیٹ بھر کر روکھی سوکھی روٹی نصیب نہ ہو، وہ وکیل کی فیس کہاں سے ادا کرے گا۔ پھر مقدمہ ایک سال ہی نہیں بلکہ تین تین، چار چار سال تک چلتا ہے۔ ایسے واقعات بے شمار ہیں کہ مزدور بیروزگاری کے عالم میں کئی سال تک عدالت کے فیصلے کا منتظر رہا۔ عدالت سے تو فیصلہ نہ ہو سکا۔ البتہ وہ اس جہان سے رخصت ہو گیا۔ جس استحصالی نظام میں انصاف بہت مہنگا ہے اور مزدور میں خریدنے کی سکت نہیں۔ ایسے بھی واقعات ہیں کہ لیبر کورٹ نے مزدور کے حق میں فیصلہ دے دیا لیکن ملز مالکان نے ماننے سے انکار کر دیا۔ ان حالات میں مزدور کس لئے عدالتوں میں جائیں۔ اگر وزارتِ محنت مزدوروں کی بحالی کے سلسلے میں صرف لیبر کورٹوں پر انحصار کرتی ہے۔ تو وزارت کس مرض کی دوا ہے۔ کس لئے اور کس کے لئے ہے؟ بہتر ہے کہ وزیر موصوف وزارت سے دست بردار ہو جائیں۔ خواہ مخواہ قومی خزانے پر بوجھ نہ بنیں۔

وزیرِ محنت نے یہ کہہ کر کہ "حکومت کے پاس ایسے اختیارات نہیں ہیں کہ وہ کسی کارکن کی بحالی کے سلسلے میں احکامات جاری کر سکے" اپنی جان بچانے کی کوشش کی ہے۔ ہم وزیر موصوف سے صرف یہ پوچھنے کی جسارت کریں گے کہ جنابِ والا! پاکستان کے عبوری آئین کی رو سے تمام شہریوں کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔ لیکن یہ کیا طرفہ تماشہ ہے کہ مزدور قانونی ہڑتال کرتے ہیں تو آپ کو نظم و نسق کا خیال آجاتا ہے مزدوروں کو زبردستی کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ گولیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ڈی پی آر کے تحت بند کر دیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ ملک کو تباہ و برباد کرنے کی سازش ہے۔ لیکن جب سرمایہ دار غیر قانونی طور پر مزدوروں کو برطرف کرتا ہے جو آپ کا قانون آپ کی وزارت اور آپ کا محکمہ محنت کہتا ہے کہ "ہمارے پاس اختیارات نہیں ہیں" کیا مزدوروں کو برطرف کرنے کا مطلب صنعتی امن کو تباہ کرنا نہیں ہے؟ کیا اس سے مزدوروں میں بے چینی اور اضطراب پیدا نہیں ہوتا؟ کیا اس سے ملک معاشی طور پر کمزور نہیں ہوتا، اور کیا معاشی طور پر ملک کو کمزور کرنا ملک دشمنی نہیں ہے؟ اگر ہے تو آپ کی وزارت حرکت میں کیوں نہیں آتی، ملز مالکان کو ڈی پی آر کے تحت گرفتار کیوں نہیں کیا جاتا،

رانا محمد حنیف صاحب! ہمیں یقین ہے کہ آپ کی یادداشت کمزور نہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ آپ ہی کی پارٹی کے سابق وزیرِ اطلاعات عبدالحفیظ پیرزادہ نے اپریل ۱۹۷۰ء کی ہڑتال میں برطرف کئے جانے والے صحافیوں کو بحال کرایا تھا۔ صدر کے سابق مشیر برائے عوامی امور معراج محمد خاں نے جنوری ۷۰ء کراچی میں بہت سے مزدوروں کو بحال کرایا تھا۔ ان کے پاس کون سے ایسے خصوصی اختیارات تھے جن سے انہوں نے کام لیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ سرمایہ داروں کی زبان بول رہے ہیں۔ ان کے مفادات کا تحفظ کر رہے ہیں۔ چلیئے مان لیا کہ "حکومت کے پاس مزدوروں کی بحالی کے احکامات جاری کرنے کے اختیارات نہیں ہیں" لیکن پاکستان کے عبوری آئین کی رو سے تمام شہری برابر ہیں۔ اس لئے آپ صنعتی تنازعہ میں مداخلت نہ کریں۔ غیر جانب دار رہیں اور مزدوروں کو سرمایہ داروں سے نمٹنے دیں۔ مزدور اتنے باشعور ہیں کہ وہ اپنے معاملات خود طے کر سکیں۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ آپ ایسا نہیں کریں گے۔ کیونکہ آپ کو بخوبی علم ہے کہ ملز مالکان اور صنعت کار محض حکومت کے بل بوتے پر اکڑتے ہیں۔ ورنہ یہ کاغذی شیر ہیں۔ مزدور ایک گھنٹے میں انہیں ٹھیک کر سکتے ہیں۔

خمار انصاری

غزل

ہم اجنبی کی طرح اپنے ہی وطن میں رہے
مثالِ سبزۂ بیگانہ اس چمن میں رہے

خزاں کا وقت بھی آیا بہار بھی آئی
چمن کے چاہنے والے جو تھے چمن میں رہے

جسے حقیر سمجھتے ہیں لوگ، وہ تیشہ
بہت عظیم ہے گر دستِ کوہکن میں رہے

ہزار گردشِ دوران نے کروٹیں بدلیں
مگر ہم اہلِ جنوں اپنے بانکپن میں رہے

حیات شعلۂ جہد و عمل کو کہتے ہیں!
حیات ہے تو یہ شعلہ میرے بدن میں رہے

گرفتِ فن میں نہ آئی خیال کی تصویر
بہت سے رنگ تھے جو پردۂ سخن میں رہے

یہ سانحہ ہے کہ مانوسِ بزم ہو نہ سکے
یہ واقعہ ہے کہ تنہا بھی انجمن میں رہے

کِسے ملی ہے ہمیشہ کی روشنی یارو!
کبھی کبھی مہ و خورشید بھی گہن میں رہے

انہیں کو وقت نے اکثر کیا نظر انداز
وہی جو روشنی بن کر کرن کرن میں رہے

ہمیں قبول ہے اپنے سکوت کا الزام
مگر حضور تو تقلیدِ راہزن میں رہے

خمار خود کو کبھی دوسروں میں ضم نہ کیا
یہ امتیازِ حریفانہ انجمن میں رہے!

بھارت اور افغانستان کو دوائیں اسمگل کرنے کا منصوبہ

نعیم الحسن

پاکستان کی چند بڑی دواساز کمپنیاں غیر ملکی اشاروں پر قومی صحت پالیسی کو مکمل طور پر ناکام بنانے کی درپردہ سازشیں کر رہی ہیں۔ اس پالیسی کو عملی طور پر نافذ کرنے کا دنت بوں جوں قریب آتا جا رہا ہے، ان کی مذموم سرگرمیاں تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہیں۔ بعض کمپنیوں کے مالکان اعلانیہ کہتے پھر رہے ہیں کہ "ہم دیکھیں گے شیخ صاحب کس طرح اس پالیسی کو نافذ کرواتے ہیں۔ اس کا مقدر موت ہے"۔ نوکر شاہی بیرونی اور اندرونی دواساز کمپنیوں کے متمول مالکان کے اشاروں پر ناچ رہی ہے۔ وہ حکومت اور مرکزی وزیر صحت جناب شیخ رشید کی ان تمام کوششوں پر پانی پھیرنا چاہتی ہے، جس کی بدولت دواساز کمپنیوں کی لوٹ کھسوٹ میں خاتمہ کا امکان پیدا ہو گیا تھا۔

حکومت کی جانب سے وقتاً فوقتاً زندگی کے مختلف شعبوں میں اصلاحات نافذ کی گئیں، اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن ان اصلاحات کی تیاری میں نوکر شاہی سے تعاون حاصل کر کے سب سے بڑی غلطی کی گئی، نتیجتاً اصلاحات کے ڈرافٹ میں جان بوجھ کر ایسا جھول رکھا گیا ہے جس سے فائدہ اٹھا کر مفاد پرست طبقہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے نئی راہیں تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ قومی صحت پالیسی دوسری تمام اصلاحات سے بہتر اور عوام کے لئے سودمند ھے، لیکن اس کی تیاری میں اتنی عجلت سے کام لیا گیا کہ بعض اہم پہلو تشنہ اور نامکمل رہ گئے۔ انہی کمزور پہلوؤں سے فائدہ اٹھا کر مفاد پرست طبقہ قومی صحت پالیسی کو ناکام بنانے کے لئے جوڑ توڑ میں مصروف ہے۔

ڈرگ آرڈیننس ۱۹۷۲ء کے مطابق کاروباری ناموں سے دواؤں کی تیاری کی آخری تاریخ ۲۳ دسمبر ۱۹۷۲ء مقرر کی گئی۔ دواسازی کی صنعت سے متعلق رکھنے والے چند بڑے تاجروں نے آرڈیننس کے نفاذ سے قبل پورا پورا فائدہ اٹھایا، دن رات شفٹیں چلا کر پیکنگ کا سامان اور سارا خام مال استعمال کر لیا۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۷۲ء سے بعض فیکٹریوں میں لے آف کا نوٹس لگا دیا گیا اور ملازمین کو مکمل طور پر پلانٹ بند کرنے کی دھمکی دینی شروع کر دی گئی۔

دریں اثناء حکومت کی طرف سے نیشنل فارمولری کا اعلان کیا گیا، اور دواساز کمپنیوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ جنرک ناموں سے ادویہ کی تیاری شروع کر دیں۔ لیکن بڑی بڑی دواساز کمپنیوں کی انتظامیہ نے سرکاری احکامات کو سرے سے نظر انداز کرتے ہوئے پراسرار خاموشی اختیار کی اور فیکٹری چلانے سے انکار کر دیا۔ اس طرح دواساز کمپنیوں نے آرڈیننس کے نفاذ سے پہلے لاکھوں روپے کی مالیت کا سامان تیار کر کے اسٹاک کر لیا۔ ان کا ارادہ ہے کہ پابندی کے بعد تجارتی ناموں سے تیار شدہ دواؤں کو بھارت اور افغانستان اسمگل

ASPRO-NICHOLAS (PAKISTAN) LIMITED

KARACHI

10th January, 1973.

STAFF NOTICE

LAY - OFF

We wish to inform that the Workers of the following departments will be laid off with effect from Thursday the 11th January, 1973 for a period of 14 days for want of production. They will report for resumption of duty on Thursday the 25th January, 1973:-

1. All Process Workers and Chargehands of Tabletting, Granulation and Liquid Processing but other than those normally working in the Sterile Area (namely:- Mr. Zubair Ansari, Miss Ishrat Bi, Miss Nazneen Perveen, Miss Zubaida Yasin).
2. Packing Operators and Group Leaders.
3. Maintenance Staff at C/36.
4. Warehouse Staff at C/36.
5. Sweepers at C/36 but other than Allah Rakha and Danial Maseeh.

During this period they will be paid one half of their wages as compensation in accordance with S.O. No.11 of West Pakistan Industrial & Commercial Standing Orders Ordinance 1968.

Any employee of the above departments can however, avail his/her Privilege Leave during this period and in that case such employees will not be considered as being on a lay-off. Application in writing for grant of leave should reach the Departmental Heads on or before 22nd January, 1973.

DMM:CN:

D.M. MAY
GENERAL MANAGER

لے آف کے نوٹس کا عکس

کر دیا جائے۔ وہ غیر قانونی طریقہ سے کروڑوں روپے پیدا کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ حکومت نے ڈرگ آرڈیننس نافذ کرتے وقت شاید اس پہلو پر غور نہیں کیا۔ اگر پہلے سے منصوبہ بندی کر لی جاتی اور دوا ساز کمپنیوں کو برانڈ ناموں سے دوائیں اسٹاک کرنے کی اجازت نہ دی جاتی تو یقیناً یہ صورتِ حال پیدا نہ ہوتی۔ کاروباری ناموں سے دواؤں کی فروخت پر مکمل پابندی کے بعد ان کا اخراج ایک سنگین مسئلہ بن جائے گا۔ دوا ساز کمپنیاں آسمان سر پر اٹھا لیں گی۔ اور حکومت پر دباؤ ڈالیں گی کہ ان کی نکاسی کا انتظام کیا جائے، اگر حکومت نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا تو وہ مال کی کھپت کیلئے غیر قانونی ذرائع اختیار کریں گی۔ اس طرح حکومت کو ایک بار پھر کروڑوں روپے کا نقصان پہنچانے کی سازش کی رہی ہے۔

بڑی بڑی دوا ساز کمپنیاں قومی صحت پالیسی کو مفلوج اور غیر مؤثر بنانے کے لئے دو طرفہ وار کر رہی ہیں، ایک طرف تجارتی ناموں سے دوائیں اسٹاک کر لی گئی ہیں، دوسری طرف فیکٹریوں اور پلانٹ کو جزوی یا کلی طور پر بند کر دیا گیا ہے۔ بیشمار ملازمین کو برطرف کر دیا گیا اور سینکڑوں کو برطرفی کی مسلسل دھمکی دی جا رہی ہے۔ یہ خبر پاکستان کے تقریباً تمام اخبارات میں شائع ہو چکی ہے کہ پاکستان کی دو بڑی دوا ساز کمپنیوں میسرز سیبا (پاکستان) لمٹیڈ اور نکولس پروڈکٹس (پاکستان) لمٹیڈ نے اپنے پلانٹ بند کر دیئے اور ملازمین کو جبری چھٹی پر بھیج دیا۔ اسی طرح میسرز آغا برادرز لمٹیڈ کے ملازمین کو سب سے پہلے جبری طور پر چھٹی پر بھیجا گیا اور اب انہیں ملازمت

"ہم دیکھیں گے کہ
شیخ صاحب کس طرح
پالیسی نافذ کرواتے ہیں"

سے نکالنے کی دھمکی دی جا رہی ہے۔ ملازمین کے ساتھ مالکان کا یہ بہیمانہ سلوک اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ دوا ساز کمپنیاں بیرونی اشاروں پر جان بوجھ کر صنعتی بے چینی کو جنم دے رہی ہیں اور ہزاروں ملازمین کو بیروزگار کر کے مرکزی وزیر محنت جناب شیخ رشید کے لئے ایک ایسا سنگین مسئلہ کھڑا کر دینا چاہتی ہیں کہ وہ پریشان ہو کر ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں۔

اگر قومی صحت پالیسی کے نفاذ سے قبل دوا سازی کی صنعت سے متعلق تمام اہم اور نازک پہلوؤں پر غور کر لیا جاتا، ملازمین اور مزدوروں سے تبادلۂ خیال کر لیا جاتا تو شاید اس

لے آف کا نوٹس اور فیکٹری بند کرنے کی دھمکیاں

بحران کی نوبت نہ پہنچتی، نہ ہی بڑی بڑی کمپنیوں کو ہاتھ پیر نکالنے کا موقع ملتا۔ لیکن اس اہم پالیسی کی ترتیب و تدوین میں عجلت پسندی اختیار کرنے سے ایسی خامیاں رہ گئیں جو بتدریج سنگین مسئلے کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہیں۔ پاکستان فارمسٹیکل اینڈ کیمیکل ورکرز فیڈریشن کے ترجمان کے مطابق اس سلسلے میں، اپریل ۱۹۷۲ء اور جولائی ۱۹۷۲ء میں دو وفود اسلام آباد بھیجے گئے۔ اس وفد کے ارکان مرکزی وزیر صحت سے مل کر تمام اہم امور پر تفصیلی بات چیت کرنا چاہتے تھے۔ اور اس بات کا انکشاف کرنا چاہتے تھے کہ دوا ساز کمپنیاں قومی صحت پالیسی کو ناکام بنانے کے لئے کیا سازشیں کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ مرکزی وزیر صحت، مرکزی وزیر محنت، یہاں تک کہ صدر بھٹو کو خطوط اور ٹیلیگرام روانہ کئے گئے لیکن کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ نہ ہی آرڈیننس میں ملازمین کے روزگار کے تحفظ کے لئے کوئی گنجائش رکھی گئی۔ سہ فریقی کانفرنس کے دوران فیڈریشن کے نمائندوں نے اس سنگین مسئلے پر زور دیا۔ اور مرکزی وزیر محنت سے اپیل کی گئی کہ ڈرگ آرڈیننس کے نفاذ سے قبل دوا ساز کمپنیاں پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گی ملازمین کو بڑی تعداد میں برطرف کرنے کی سازشیں کی جا رہی ہیں لیکن فیڈریشن کے ارکان حکومت کی سرد مہری سے مایوس نہ ہوئے انہوں نے ایک بار پھر اربابِ اختیار تک پہنچنے کے لئے سیڑھی لگائی۔ فیڈریشن کے چند ارکان نے مرکزی وزیر محنت مسٹر رانا محمد حنیف سے ملاقات کے دوران اس مسئلے پر گفتگو کی، اور ان سے درخواست کی، حضور آپ مرکزی وزیر ہیں، بااختیار ہیں فارمسٹیکل کے ملازمین کے روزگار کا تحفظ کریں۔ وزیر باتدبیر نے اپنے مخصوص لہجے میں جواب دیا، "ان کے پاس ایسا کوئی فارمولا نہیں ہے۔ وہ صرف پالیسی میکر ہیں۔ صدر پاکستان ہی اس مسئلے میں مداخلت کر سکتے ہیں اور ملازمین کے روزگار کے تحفظ کی ضمانت دے سکتے ہیں۔"

فیڈریشن اور دوسرے ورکروں کی بھاگ دوڑ کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ڈرگ آرڈیننس ۱۹۷۲ء نافذ کر دیا گیا جس میں ملازمین کی ملازمتوں کا کوئی تحفظ نہیں دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۴ دسمبر ۱۹۷۲ء سے پہلے دوا ساز کمپنیوں نے کاروباری ناموں سے دھڑا دھڑ دوائیں تیار کیں اور اس کے بعد اپنی فیکٹری اور پلانٹ بند کر کے سینکڑوں ملازمین کو بیروزگار کر دیا گیا۔

فیڈریشن نے مرکزی وزیر محنت کے سامنے مندرجہ ذیل مطالبات پیش کئے ہیں۔

(۱) فارمسٹیکل کے ملازمین کو روزگار کا قانونی طور پر تحفظ دیا جائے۔

(۲) دوا ساز کمپنیاں سیبا، اسپرو اور آغا برادرز کے ملازمین کی تنخواہیں فوری طور پر ادا کی جائیں۔

(۳) آغا برادرز کے برطرف ملازمین کو فوراً بحال کیا جائے۔

(۴) فیڈریشن کے پیش کردہ مطالبات پر دوبارہ بات چیت شروع کی جائے۔

(۵) فارمسٹیکل میں پھیلی ہوئی بے چینی کا سدباب کیا جائے۔

(۶) لیبر اصلاحات کو لفظی اور معنوی اعتبار سے نافذ کیا جائے۔

فیڈریشن نے اس کے ساتھ ہی اس بات کا بھی اعلان کیا ہے کہ اگر حکومت نے فوری طور پر مداخلت نہیں کی تو دوا سازی کی صنعت سے تعلق رکھنے والے ملازمین عام ہڑتال کر دیں گے جس کے نتیجے میں فارمسٹیکل انڈسٹری کا پہیہ جام ہو جائے گا۔

آغا برادرز نے بے شمار ملازمین کو جبری چھٹی پر بھیجنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انتظامیہ نے ڈسٹلڈ واٹر سیکشن کو دوبارہ چلانے سے صاف انکار کر دیا، اور کوئی معقول وجوہ بتائے بغیر غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیا گیا۔ اس میں کام کرنے والے جتنے ملازمین تھے انہیں چھٹی دیدی گئی۔ اسی طرح اسپرو نکولس میں بھی لے آف کا نوٹس لگا کر سینکڑوں ملازمین کو بیروزگاری کی آگ میں جھونک دیا گیا۔ ان تمام ناانصافیوں کے باوجود حکومت خاموشی سے سارا ڈرامہ دیکھ رہی ہے۔

پردہ چاک

اصفہانی لمیٹڈ

دورانِ جنگ
اسلام آباد سے
صدری اصفہانی
کو خفیہ پیغام بھیجا گیا

لاکھوں روپے کے کرنسی نوٹ
پیٹیوں میں بند کر کے کراچی بھیج دیئے گئے

الفتح رپورٹ

سرمایہ دار کبھی پاکستان کے وفادار نہیں رہے۔ انہیں جب موقع ملا، پاکستان کی عزت، وقار اور سالمیت کا سودا کیا۔ غیر ملکی اشاروں پہ پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی مذموم اور تباہ کن سازشوں میں بھرپور حصہ لیا۔ ملک آزمائش کی گھڑی سے گزرا تو اپنی جائیداد، اثاثہ اور سرمایہ کے تحفظ کو مقدم رکھا۔ اور ملک و قوم کو نازک حالات میں چھوڑ کر بیرونی ممالک کو اپنا ٹھکانہ بنایا۔ ۱۹۴۷ء سے لے کر تا حال یہ کہانی ایک بار نہیں، بار بار دہرائی گئی۔ اس قسم کے واقعات اتنی بار اخبارات کی زینت بن چکے ہیں کہ اب پاکستانی سرمایہ داروں کے بارے میں تمام خوش فہمیاں ختم ہو چکی ہیں۔ ان کی وفاداری ہمیشہ مشکوک اور مشتبہ رہی ہے۔

ایم ایم اصفہانی لمیٹڈ، کا شمار پاکستان کی چند گنی چنی بڑی کمپنیوں میں ہوتا ہے۔ اس تجارتی ادارے کو بورڈ آف ڈائریکٹرز چلاتا ہے۔ اس بورڈ کے چیئرمین صدری اصفہانی ان دنوں بنگلہ دیش میں تشریف فرما ہیں۔ ان کے متعلق یہ بات عام ہے کہ وہ ہمیشہ سے بنگلہ دیش کے وفادار رہے ہیں۔ عوامی لیگ کی پاکستان دشمن سرگرمیوں کی بھرپور حمایت کی، دامے، درمے، سخنے امداد دیتے رہے۔ عوامی لیگ کے اخبارات میں اصفہانی لمیٹڈ کی جانب سے ہزاروں روپے کے اشتہارات شائع کروائے گئے۔ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد صدری اصفہانی نے پاکستان آنے کے بجائے بنگلہ دیش میں مستقل قیام کا ارادہ کر کے ثابت کر دیا کہ نظریاتی اور عملی طور پہ پاکستان کے وفادار نہیں رہے۔ بنگلہ دیش ان کے کاروبار کے لئے زیادہ مفید منڈی ثابت ہو سکتا ہے۔ اصفہانی لمیٹڈ کے چیئرمین صدری اصفہانی کے اس پاکستان دشمن فیصلے سے عوام اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک سرمایہ دار کا کوئی وطن نہیں ہوتا۔ جہاں استحصال کے مواقع زیادہ میسر ہوتے ہیں، وہاں وہ اپنا مسکن بناتے ہیں۔ بنگلہ دیش میں اصفہانی لمیٹڈ کے تمام دفاتر باقاعدہ کام کر رہے ہیں۔ ان دفاتر میں کام کرنے والے ملازمین کو معقول اجرت، بونس، چھٹیاں اور دیگر مراعات حاصل ہیں، جبکہ کراچی کے دفاتر میں کام کرنے والے ملازمین کو بیشتر حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے۔

۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو یحییٰ خان نے سیاسی حکمتِ عملی کی بجائے طاقت کے ذریعے مشرقی پاکستان کے عوام کو سرنگوں کرنا چاہا۔ یہاں کے حالات دن بدن ابتر ہوتے جا رہے تھے۔ کاروبار ٹھپ ہو چکے تھے۔ سرمایہ دار اپنے کاروبار کو سمیٹ رہے تھے، اور تیزی سے اپنا سرمایہ بیرونِ ممالک منتقل کر رہے تھے۔ سرمایہ داروں کو پاکستان اور اس کے سنگین حالات سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ وہ اپنا سرمایہ محفوظ مقامات پر منتقل کرنے کے لئے بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ ایک دن ڈھاکہ ایئرپورٹ پر اسلام آباد سے ایک خفیہ پیغام موصول ہوا۔ ایک اہم افسر نے اصفہانی لمیٹڈ کے چیئرمین صدر اصفہانی سے ملاقات کی اور پیغام ان کے حوالے کیا۔ دوسرے دن صدری اصفہانی نے بحری اور ہوائی راستے سے اپنا سرمایہ مغربی پاکستان منتقل کر دیا۔ ایک ذمہ دار شخص نے انکشاف کیا ہے کہ جب پاکستان موت اور زندگی کی کش مکش میں مبتلا تھا، اس وقت یحییٰ خان کے اشارے پر انتظامیہ کے بعض اعلیٰ افسران اصفہانی کے کرنسی نوٹوں کو لکڑی کے صندوق میں پیک کرانے میں مصروف تھے۔ اس واقعہ سے جہاں آپ نے ایک سرمایہ دار کے اثر و رسوخ کو محسوس کیا ہوگا وہاں آپ نے اس تلخ حقیقت کا مزہ بھی چکھ لیا ہوگا کہ پاکستان کے سابقہ حکام اور سرمایہ داروں کے نزدیک دولت کتنی اہمیت رکھتی ہے۔ ایسے سنگین حالات میں جبکہ لاکھوں انسان اپنی زندگی بچانے کے لئے خدا کے حضور میں گڑگڑا رہے تھے۔ ڈھاکہ میں پاکستان کے اعلیٰ حکام اصفہانی کے سرمائے کو محفوظ طریقہ سے کراچی منتقل کرنے میں مصروف تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس عمل کا انجام بھی دیکھئے کہ اسلام آباد جس سرمایہ دار کے سرمائے کی منتقلی میں بھرپور دلچسپی لے رہا تھا۔ اس کی تمام عملی ہمدردیاں شیخ مجیب الرحمٰن کے ساتھ تھیں۔ ایوب، یحییٰ نوکر شاہی سرمایہ دار، یہ سب وہ مکروہ چہرے ہیں جنہوں نے پاکستان کو تباہ کرنے، ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں ساجھے دار ہیں۔ یہ عجیب اور المناک بات ہے کہ پاکستان کی تباہی کے ذمہ دار اب بھی بنگلہ دیش اور پاکستان میں مزے سے ہیں اور جن لوگوں نے پاکستان کو بچانے کے لئے بے بہا قربانیاں دیں وہ کال کوٹھریوں میں جسمانی اذیتیں برداشت کر رہے ہیں۔

ان دنوں کراچی میں ایم ایم اصفہانی لمیٹڈ کے ریذیڈنٹ ڈائریکٹر صدری اصفہانی کے چچا محمود اصفہانی کاروبار کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ برصغیر پاک و ہند کی فوجیں آپس میں ٹکرائیں تو موصوف اس قدر خائف ہوئے کہ بوریا بستر لپیٹ کر ایران چلے گئے۔

سقوطِ ڈھاکہ سے قبل کراچی میں اس کمپنی کے کل افسروں کی تنخواہ پر تیرہ ہزار روپے ماہوار خرچ ہوتے تھے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد بہت سے افسران کراچی پہنچ گئے۔ اور

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

شنگھائی کی گلیوں میں ہزاروں چھوٹے کارخانے بکھرے ہوئے

چین میں کرمنیں اور نصیبنیں کارنامے انجام

شنگھائی چین کا سب سے بڑا صنعتی شہر ہے۔ مشین سازی کے تمام بڑے کارخانے اسی شہر میں ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں گلی گلی میں ہزاروں چھوٹے کارخانے موجود ہیں۔ ان کارخانوں کے لئے چینی زبان میں "گلی کوچوں کی صنعتوں" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ کارخانے اجتماعی ملکیت (کوآپریٹو) کے تحت آتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کارخانے قومی ملکیت میں شمار نہیں ہوتے۔ ان میں کام کرنے والے مزدور کوآپریٹو سسٹم کی بنیاد پر آپس میں چندہ کرکے کارخانوں کی بنیاد ڈالتے ہیں، اور اپنی آمدنی سے رفتہ رفتہ انہیں فروغ دیتے ہیں۔ آمدنی کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ پہلا حصہ، جو سب سے بڑا ہوتا ہے، مزدوروں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ دوسرا حصہ آئندہ سال کی سرمایہ کاری کے لئے محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ اور تیسرا حصہ (تقریباً پانچ فیصد) حکومت کی مقامی انتظامیہ کو ٹیکس کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔ ایسے کارخانوں کو حکومت کی مقامی انتظامیہ بھی حسبِ ضرورت مدد دیتی رہتی ہے۔ لیکن چونکہ چین کے مزدور ہمیشہ خود انحصاری کے اصول کو مدِنظر رکھتے ہیں، اس لئے وہ حتی الامکان اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ حکومت سے امداد طلب کرنے کی نوبت نہ آئے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ایسے کارخانے جو صرف پچاس ساٹھ یوان (سو، ڈیڑھ سو روپے) کی رقم سے شروع کئے گئے تھے، اب ہر سال لاکھوں یوان کی مالیت کا سامان تیار کرتے ہیں۔

دیکھنے میں یہ کارخانے بہت خستہ حال نظر آتے ہیں۔ کسی چھوٹی سی گلی میں رہائشی مکانات کے ساتھ کارخانے کا چھوٹا سا گیٹ نظر آئے گا۔ جب آپ وہاں پہنچیں گے تو گلی کے سینکڑوں بچے، بوڑھے اور نوجوان آپ کی کار کو گھیر لیں گے۔ دیر تک تالیاں بجتی رہیں گی، اور آپ اپنے اندر سمٹے ہوئے جلدی سے گیٹ کے اندر داخل ہو جائیں گے۔ آپ سب سے پہلے کارخانے کی انتظامی باڈی کے دفتر میں جائیں گے۔ ایک چھوٹا سا کمرہ ہوگا، جہاں بمشکل دس بارہ افراد بیٹھ سکیں گے۔ ایک لمبی سی میز ہوگی، جسکے چاروں طرف کرسیاں لگی ہوں گی۔ وہ آپ کو کسی نمایاں مقام پر بٹھانا چاہیں گے، لیکن آپ کسرِ نفسی سے کام لیتے ہوئے کسی دوسری جگہ پر بیٹھ جائیں گے۔ فرش اینٹوں کا یا سیمنٹ کا ہوگا، لیکن اس پر چمک نہیں ہوگی۔ چھت بھی معمولی سی ہوگی۔ اور اس پر ٹائلز، کھپریل یا چٹائیاں لگی ہوں گی۔ ایک طرف میز پر گرم پانی سے بھرے ہوئے تھرموس اور چائے کا ڈبہ رکھا ہوا ہوگا۔ ایک مزدور خاتون چائے سے بھرا ہوا مگ آپ کے سامنے رکھیں گی۔ ان کے چہروں پر خوشی کی لہریں دوڑ رہی ہوں گی کہ "وائیگو پھنگیو" (غیر ملکی دوست) ان کا کارخانہ دیکھنے آیا ہے۔ پھر ان کی انقلابی کمیٹی کا کوئی ذمے دار رکن کارخانے کے تمام مزدوروں کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرے گا۔ چین اور پاکستان کی پائیدار دوستی کا تذکرہ کرے گا، اور پھر اس کے بعد آپ کو اپنے کارخانے کی کہانی سنائے گا۔

ایسے کارخانوں میں عام طور پر ایسی بچوں والی عورتیں کام کرتی ہیں، جو اب تک گھریلو زندگی گزارتی رہی ہیں۔ ان میں سے بیشتر ان پڑھ ہیں۔ (اب وہ تعلیم بھی حاصل کر رہی ہیں) اور انہوں نے اس سے پہلے کبھی ملازمت نہیں کی۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ چین کی کرمنیں اور نصیبنیں ہیں۔ ان عورتوں کو، خاص طور پر "جست نما ترقی" کے مرحلے میں یہ احساس ہوا ہے کہ وہ اپنے وطن کی سوشلسٹ تعمیر میں کوئی حصہ ادا نہیں کر رہی ہیں۔ پانچ چھ عورتیں ایک جگہ جمع ہوئیں اور انہوں نے اپنے طور پر چھوٹے پیمانے پر پیداواری سرگرمیوں میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اجتماعی طور پر چھوٹی موٹی رقم جمع کر لی۔ کوئی اپنے گھر سے بنچ لے آئی، کوئی کرسیاں اٹھا لائی۔ کسی نے اپنے گھر کا تھوڑا حصہ پیش کر دیا، کوئی دسکرو ڈرائیور لے آیا۔ اور اس طرح انہوں نے اس بے سروسامانی کے عالم میں اپنے کام کا آغاز کر دیا۔

شنگھائی میں دوسرے دن مجھے ایک ایسا ہی کارخانہ دیکھنے کا موقع ملا۔ اس کارخانے کا نام "فنگ ہو (جنگل کی آگ) لکڑی کے بکسوں کا کارخانہ" ہے۔ پہلے اس کارخانے میں لکڑی کے بکس بنائے جاتے تھے۔ اب یہاں ریڈیو کے ٹرانسسٹر بنائے جاتے ہیں۔ لیکن اسے اب بھی اس کے پرانے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ کارخانہ ۱۹۵۸ء میں ۲۲ "گھریلو" عورتوں نے شروع کیا تھا۔ یہ عورتیں پہلے اپنے گھریلو کاموں میں مصروف رہتی تھیں۔ ۱۹۵۸ء میں جب بڑے پیمانے پر ترقیاتی مرحلے کا آغاز ہوا تو ان عورتوں کو یہ خیال آیا کہ انہیں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہنا چاہیئے، اور اپنے وقت کو اپنے وطن کی تعمیر کے لئے صرف کر دینا چاہیئے۔

اس وقت ان کے وسائل بہت محدود تھے، اس لئے انہوں نے لکڑی کے بکس بنانے کا کام شروع کر دیا۔ وہ یہ بکس ڈاکخانوں کو سپلائی کرتی تھیں۔ اس وقت اس کارخانے میں کوئی مرد نہیں تھا۔ صرف عورتیں تھیں، اور وہ بھی ایسی عورتیں جنہیں کام کا کوئی تجربہ نہیں تھا، اور ان میں سے بیشتر ان پڑھ تھیں۔

جب ان کا کام چل نکلا تو مقامی انتظامیہ کے متعلقہ شعبے نے ان سے کہا کہ وہ اپنے "کارخانہ" میں ریڈیو کے ٹرانسسٹر بنانے کا کام شروع کریں۔ ان دونوں کاموں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ انہوں نے جب یہ سنا تو بہت حیران ہوئیں کہ ان پڑھ اور ناتجربہ کار عورتیں اتنا اہم پرزہ کیسے بنا سکتی ہیں۔ ان کے ذہنوں پر ماضی کے فرسودہ تصورات اب تک گہرے تھے۔ پہلے یہ کہا جاتا تھا کہ اس قسم کا تکنیکی کام صرف یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل افراد ہی کر سکتے ہیں۔ ان کے تذبذب کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے پاس ضروری آلات اور وسائل کی کمی تھی۔ یہ ایسی ہی بات تھی جیسے ایک چیونٹی کو پہاڑ ہٹانے کا کام سونپا جائے۔ بعض عورتوں کا خیال تھا کہ انہیں لکڑی کے بکس بنانے کا کام جاری رکھنا چاہیئے، کیونکہ وہ اس اہم فریضے کی اہلیت نہیں رکھتی تھیں۔ لیکن اکثریت کا خیال یہ تھا کہ انہیں پوری سرگرمی کے ساتھ اس فریضے کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، اور "عمل کے ذریعے سیکھنے" کا جذبہ اپنانا چاہیئے۔ انہوں نے اپنی چند ساتھیوں کو دوسرے کارخانے میں بھیج دیا کہ وہ وہاں جا کر اس سلسلے میں فنی تربیت حاصل کریں۔ ان میں سے نو عورتیں تھیں اور ایک مرد تھا۔ ان میں سے بیشتر مزدوروں

لکڑی کے بکس بنانے والے مزدور اب ٹرانسسٹر بنا رہے ہیں

...دے رہی ہیں



"فنگ ہو لکڑی کے بکسوں کے کارخانے" کے مزدوروں کے ساتھ

کی عمر چالیس سال سے اوپر تھی۔ سب سے معمر مزدور کی عمر ۴۶ سال تھی اور سب سے کم عمر مزدور ۳۹ سال کی تھی۔ اور ان میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ مزدور نے صرف پانچ جماعت تک تعلیم حاصل کی تھی۔

ان دس مزدوروں نے بڑی جاں فشانی کے ساتھ محنت کی۔ شروع شروع میں انہیں بہت مشکل پیش آئی، لیکن انہوں نے ہر رکاوٹ پر قابو پالیا۔

چونکہ یہ ایک تکنیکی کام تھا، اس لئے مزدوروں کے لئے اسکے فارمولے یاد کرنا بہت ضروری تھا۔ اور چونکہ یہ فارمولے انگریزی میں تھے، اس لئے اس کے انگریزی کے حروف تہجی سیکھنا ضروری تھا۔ ان مزدوروں کے ساتھ مشکل یہ تھی کہ وہ چینی زبان بھی اچھی طرح نہیں جانتے تھے۔ وہ جو کچھ پڑھتی تھیں، ان کے ذہنوں سے نکل جاتا تھا۔ پھر انہوں نے مختلف قسم کی علامات کو سامنے رکھ کر یہ حروف یاد کرنے شروع کر دیئے۔ مثال کے طور پر چینی میں آئے کا مطلب محبت کرنا ہے، اس لفظ کی مناسبت سے انہوں نے انگریزی حرف A کو یاد کیا۔ بعض نے زینے کے پیروں کو A سے تعبیر کیا۔ اس طرح وہ مسلسل دو ماہ تک بنیادی معلومات حاصل کرتی رہیں۔ اگر ان کے گھر کا کوئی فرد بیمار ہو جاتا تو بھی وہ گھر نہیں جاتیں، کہ ڈاکٹر ان کی دیکھ بھال کرے گا۔

اس وقت یہاں صرف ایک جھونپڑی تھی، جس میں ان کا سارا کام ہوتا تھا۔ فرش مٹی کا تھا، اور چھت چٹائیوں کی تھی۔ ان کے پاس دو چھوٹی ڈرل مشینیں تھیں، لیکن کوئی ٹیکنیشن نہیں تھا۔ بس ایک ایسا شخص تھا جو بجلی کے بلب ہولڈر میں لگا سکتا تھا۔ انہوں نے مختلف ذرائع سے ضروری آلات جمع کرنا شروع کر دیا۔ ان کے شوہر جو مختلف قسم کے کارخانوں میں کام کرتے تھے، اپنے فرصت کے اوقات میں انہیں تکنیکی تربیت دینے لگے۔ چونکہ ان کا کام بڑھ گیا تھا، اس لئے انہوں نے خود ہی سادہ قسم کی دو چار عمارتیں بنالیں، جن پر لکڑی کے تختوں کی چھتیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان کی ستر فیصد مشینیں ایسی تھیں جنہیں مختلف کارخانوں سے حاصل کردہ آلات کو جوڑ کر بنایا گیا تھا۔

انہیں ڈیزائن اور بلاک بنانے کے لئے ایک بڑے کیمرے اور ٹرالی کی ضرورت تھی۔ کیمرے کی قیمت تین ہزار یوان تھی، اور اس وقت ان کے پاس اتنی رقم نہیں تھی۔ اس کے علاوہ ان کے پاس اتنی جگہ بھی نہیں تھی، جہاں وہ اتنا بڑا کیمرہ رکھ سکیں۔ چنانچہ انہوں نے عام قسم کا "شنگھائی باکس کیمرہ" خریدا، اور اس میں لکڑی کی ٹانگیں لگا کر مختلف فاصلوں سے تصویریں بنانے لگے، کیونکہ انکے پاس کوئی ٹرالی بھی نہیں تھی۔ لیکن مسئلہ اس طرح بھی حل نہیں ہوا۔ یہ بہت باریک کام تھا، اور عام کیمرہ اس کے لئے ناکافی تھا۔ اس قسم کے مخصوص کیمرے صرف غیر ممالک سے درآمد کئے جا سکتے تھے، اور ایسے ایک کیمرے کی قیمت کم از کم دو لاکھ بیس ہزار یوان ہے۔ چنانچہ مزدوروں نے مل جل کر دو ہزار یوان کی لاگت سے ایک دیسی طرز کا کیمرہ بنالیا، اور اب وہ اپنا سارا کام اسی کیمرے سے کرتے ہیں۔ اگر کسی جدید صنعتی ملک کا کوئی ٹیکنیشین انہیں اس بے سروسامانی کے عالم میں کام کرتا دیکھ لے تو دانتوں میں انگلی داب لے۔ پانی کو صاف کرنا بھی ان کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ کیونکہ اس عمل میں بھاپ کے پانی سے بھی صاف پانی استعمال کرنا پڑتا ہے۔ رہنما ادارے نے تقطیر آب کا منصوبہ بنایا۔ ایک ۴۹ سالہ عورت، تو چھن کو یہ کام سونپا گیا۔ شروع شروع میں وہ بہت گھبرائی۔ اسے اپنا نام تک لکھنا نہیں آتا تھا۔ اس کے خیال میں اس کے لئے لکڑی کے بکس بنانے کا کام ہی مناسب تھا۔ پھر جب اسے صدر ماؤ کا یہ قول یاد آیا کہ "عوام اور صرف عوام ہی تاریخ کی متحرک قوت ہیں"۔ تو اس کے حوصلے بلند ہو گئے۔ آگے کی کہانی خود اس کی زبانی سنیئے۔

"صدر ماؤ نے ہمیں سکھایا ہے کہ صرف عمل کے ذریعے ہی علم حاصل کیا جا سکتا ہے"۔ اس جذبے کے ساتھ میں میدان میں کود پڑی۔ تجربہ کار مزدوروں نے مجھے بتایا کہ میرے لئے سائنسی اصلاحات یاد کرنا بہت ضروری ہے، ورنہ تم اس کام میں مہارت حاصل نہیں کر سکوگی۔ میں نے انگریزی زبان کا مطالعہ شروع کر دیا۔ میں نے اپنے بیٹے سے پوچھا، انگریزی میں کل کتنے حروف ہیں۔ اس نے کہا ۲۶۔ چنانچہ میں اس سے روزانہ درس لینے لگی۔ لیکن آج جو پڑھتی تھی، کل بھول جاتی تھی۔ میرا بیٹا جب مجھے پڑھانے بیٹھتا تو جھنجھلا جاتا وہ کہتا "اسکول میں میں نے دو تین دن کے اندر تمام حروف یاد کر لئے تھے۔ تم عجیب غبی ہو، بار بار بھول جاتی ہو"۔ میں نے اس سے کہا "بیٹے، تم خوش قسمت ہو کہ صدر ماؤ کے زمانے میں پڑھ رہے ہو۔ میری بنیاد بہت کمزور ہے، کیونکہ پرانے چین میں علم حاصل کرنے کے ذرائع بہت محدود تھے"۔

بعد میں میں نے سوچا کہ مجھے اپنے بچے پر بوجھ نہیں بننا چاہیئے اسے گھر واپس آ کر اسکول کا کام بھی کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ میں اپنے طور پر پڑھنے لگی، اور اس کے لئے میں نے خود اپنا طریقہ ایجاد کیا۔ میں اس قسم کی باتوں کو ذہن نشین کر لیتی تھی کہ C کھلا ہوا ہوتا ہے اور D بند ہوتا ہے، M سیدھا ہوتا ہے اور W الٹا ہوتا ہے۔ چینی لفظ 王 کا آدھا حصہ E ہوتا ہے۔ اس طرح آہستہ آہستہ میں نے سب کچھ سیکھ لیا۔ اب میں سوچتی ہوں کہ پہلے میرے ذہن کے اندر جو تذبذب تھا وہ پرانے زمانے کے جاگیردارانہ نظام کی عکاسی کرتا تھا۔ دراصل یہ دو نظریوں کی کشمکش تھی۔ صدر ماؤ اور کمیونسٹ پارٹی کی بدولت ہمیں آزادی نصیب ہوئی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ہم ناممکن کو بھی ممکن بنا سکتے ہیں۔ ہم اپنے تمام جذبوں کے ساتھ کام کرتے ہیں، اور اپنے ملک کی سوشلسٹ تعمیر کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ہمیں اس بات کا پورا احساس ہے کہ ابھی دنیا کی دو تہائی آبادی غلامی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ ہمیں عالمی

...روں نے

...کیمرہ درآمد

...کی بجائے

...ب دیسی طرز

...رہ بنالیا

...ے ہیں

انقلاب کے لئے اور زیادہ محنت کرنی چاہیئے۔"

یوئی چیا چانگ بھی اس کارخانے کی ایک ادھیڑ عمر مزدور ہیں۔ انہوں نے مجھے اس کارخانے کی کارکردگی کے بارے میں بہت سی باتیں بتائیں۔

"ہمیں پہلا ٹرانسسٹر بنانے میں کل ۰، دن لگے۔ لیکن بعد میں ہماری رفتار بہت تیز ہو گئی چنانچہ جب رہنما ادارے نے ہمیں اس سے بھی اونچے معیار کا ٹرانسسٹر بنانے کا کام سونپا تو ہمیں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ اب ہم پانچ قسم کے ٹرانسسٹر بناتے ہیں۔ ہمارے کارخانے میں ہر سال چالیس لاکھ یوان کی مالیت کا سامان پیدا ہوتا ہے۔ اب ہم لکڑی کے بکس نہیں بناتے۔ جب ہم نے ٹرانسسٹر بنانے کا کام شروع کیا، اس وقت یہاں ۱۴۶ مزدور کام کرتے تھے۔ اب مزدوروں کی تعداد ۲۷۱ تک پہنچ چکی ہے۔

شروع میں جب ہم لکڑی کے بکس بناتے تھے، اس وقت ہم کوئی تنخواہ یا اجرت نہیں لیتے تھے۔ پینے کا پانی تک اپنے گھروں سے لاتے تھے۔ یہ دیکھ دوسری عورتیں بھی متاثر ہوئیں اور ہمارے کارخانے میں آکر ہمارا ہاتھ بٹانے لگیں۔ پہلے ہم مختلف کارخانوں کی ضروریات کے مطابق سامان بناتے تھے، اب ہم حکومت کے منصوبے کے مطابق سامان بناتے ہیں۔

میرے سوال کے جواب میں نائب صدر یانگ آئے لنگ نے بتایا "جب ہم عورتوں نے یہ کارخانہ کھولا تو بعض گھروں میں کچھ کشیدگی بھی پیدا ہوئی، کیونکہ جاگیردارانہ ماحول کے کچھ اثرات ابھی تک باقی ہیں۔ ہمارے شوہروں نے کہا 'اگر تم باہر کام کرو گی تو گھر کا کام کون کرے گا'، ہم نے انہیں جواب دیا 'اب زمانہ بدل گیا ہے۔ یہ صدر ماؤ کا دور ہے۔ ہمیں بھی سوشلسٹ تعمیر میں مقدور بھر اپنا حصہ ادا کرنا چاہیئے'۔ بعد میں ہمارے شوہروں نے پوری طرح ہماری مدد کی۔ انہوں نے نہ صرف ہمیں ضروری آلات فراہم کئے، بلکہ ہمارے کارخانے میں آکر فنی طور پر بھی ہماری مدد کی۔ میرے شوہر نے بھی جو ویلڈر ہیں، شروع میں میری مخالفت کی۔ پہلے ہم دیہات میں رہتے تھے۔ میرے ماں باپ غریب کسان تھے۔ جب وہ بھوکوں مرنے لگے تو انہوں نے شنگھائی آنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کے پاس تھوڑی سی بھی پونجی نہیں تھی۔ اس لئے وہ راستے بھر بھیک مانگتے آئے۔ ان کے پاس ریل کے ٹکٹ خریدنے کے لئے بھی پیسے نہیں تھے۔ اس لئے ہم ٹکٹ کلکٹروں سے چھپتے پھرے۔ اسی بھاگ دوڑ میں میرے پاؤں کا ایک جوتا کھو گیا۔ اور جب ہم شنگھائی پہنچے تو اس وقت میرے پاؤں میں صرف ایک جوتا تھا۔ میں نے شوہر کو یہ سب باتیں یاد دلائیں تو وہ میرے جذبے سے بہت متاثر ہوئے، اور بعد میں وہ ہمارے کارخانے میں آکر ہماری مدد کرنے لگے۔

غزل

طاہر احمد

رہِ وفا میں جو مستانہ وار جاتے ہیں
بڑے وقار سے وہ سوئے دار جاتے ہیں

مثالِ بوئے چمن بے قرار جاتے ہیں
چلو کہ جانبِ دیوارِ یار جاتے ہیں

غرورِ عظمتِ آدم ہمارا شیوہ ہے!
جمالِ عظمتِ آدم سنوار جاتے ہیں

ہوا کے جھونکے ترے پیرہن کو چھو آئے
کلی کلی کا تبسم نکھار جاتے ہیں

شبِ بہار کی خوشبو وہ کیسے پائیں گے
خزاں کی راہ میں جو لوگ ہار جاتے ہیں

رہِ جنوں میں جو بڑھتے ہیں سرفروشی سے
وہی تو کاکلِ گیتی سنوار جاتے ہیں

عروسِ شہرِ بہاراں پتہ بھی دے اپنا!
تری تلاش میں ہم بے قرار جاتے ہیں

فقیہِ شہر کو ضد ہے اگرچہ الفت سے
یہ لوگ پھر بھی سرِ کوئے یار جاتے ہیں

ہمارے دم سے جہاں میں چراغ روشن ہیں
ہمیں تو بڑھ کے اندھیروں کے پار جاتے ہیں

گلوں کی آگ سے احمد دہک اٹھیں شاخیں
چمن سے کنجِ قفس تک شرار جاتے ہیں

۶ فروری ۱۹۷۳ء کا ایک المناک حادثہ

"بتاؤ تم نے زیب تن کے سیٹھ کے خلاف کیوں گواہی دی؟"

محمد اکرم نسیم کو دو دن اور دو راتوں تک تھانے میں رکھا گیا

الفتح رپورٹ

منگھو پیر کی سڑکوں پر ایک بار نہیں متعدد بار خونی ڈرامے اسٹیج کئے گئے۔ ملوں کی دھواں اگلتی چمنیوں، لوہے کے بڑے بڑے گیٹوں، پختہ دیواروں، مکانوں اور کیبنوں کی آنکھیں ان خونی ڈراموں کو دیکھ دیکھ کر پتھرا گئیں، ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک سینکڑوں مرتبہ ان بیٹوں کا لہو اچھالا گیا، جن کے ہاتھوں کی مسلسل حرکت سے مشینوں کا پہیہ گھومتا ہے اور بازاروں کی رونق، جگمگاہٹ میں اضافہ ہوتا ہے۔

۶ فروری ۱۹۷۳ء کے سورج نے منگھو پیر کے علاقہ میں ایک بار پھر ایک خونی منظر دیکھا۔ شالیمار سلک ملز مزدور یونین کے صدر محمد اکرم نسیم کو سائٹ تھانہ کے احاطہ میں ایس ایچ او اور چند پولیس والے وحشیانہ انداز سے زدوکوب کر رہے تھے، پولیس کا ہر آدمی، محمد اکرم نسیم پر لات، جوتے اور گھونسے برسانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں تھا۔ اس کے کپڑے تار تار ہو چکے تھے۔ اس کے ہونٹ اور سر کئی جگہ سے پھٹ گئے تھے۔ بید اور جوتے کی ٹھوکروں سے اس کا جسم لہولہان تھا۔ ایس ایچ او بری طرح چیخ رہا تھا —— "بتاؤ تم نے زیب تن کے سیٹھ کے خلاف کیوں گواہی دی۔ سیٹھ کے خلاف کیوں منہ کھولا، آخر تمہیں اس کی جرأت کیسے ہوئی"؟

شالیمار سلک ملز لیبر یونین کے صدر محمد اکرم نسیم زیب تن ٹیکسٹائل ملز لیبر یونین کے خازن خواجہ محمود پر قاتلانہ حملے کا عینی گواہ ہے۔ واقعات کے مطابق زیب تن لیبر یونین کے خازن خواجہ محمود پر ملز کے مالکان کے پالتو غنڈوں نے یکم فروری کو مبینہ طور پر چھریوں سے قاتلانہ حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا۔ خواجہ محمود اس وقت بھی ہسپتال میں موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ شالیمار سلک ملز مزدور یونین کا صدر محمد اکرم نسیم اس واقعہ کا عینی شاہد ہے۔ اور اس نے اپنی رپورٹ میں اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ خواجہ محمود پر ملز کے سیٹھ کے اشارے پر حملہ کیا گیا تھا۔

محمد اکرم نسیم کی گواہی سے سیٹھ چراغ پا ہو گیا۔ اس نے اس بار ایک مزدور کی جرأت اور بے باکی کی سزا دینے کا دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ ۵ فروری کو نسیم کو پولیس نے اچانک گرفتار کر لیا۔ محمد اکرم نسیم نے اپنی گرفتاری کی وجہ پوچھی تو جواب میں اسے گالیوں سے نوازا گیا، "تھانے چلو، وہیں وارنٹ دکھایا جائیگا" سائٹ تھانہ میں پہنچنے کے بعد جب مزدور رہنما نے دوبارہ گرفتاری کی وجہ دریافت کی تو اس بار لاتوں اور گھونسوں کے ذریعہ جواب ملا۔ اس ظلم کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ گرفتاری ۵ فروری ۷۳ء کو عمل میں آئی لیکن ایف آئی آر ۶ فروری ۷۳ء کو کاٹی گئی۔ اس دوران نو گرفتار مزدور کو ایک سیٹھ کے خلاف گواہی دینے کے "جرم" میں قیامت کی سزا دی گئی۔

اس واقعہ کے عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ محمد اکرم نسیم کو مسلسل دو دن اور دو راتوں تک سائٹ تھانہ کے احاطہ میں رکھا گیا۔ اس سزا کا تصور وہی لوگ کر سکتے ہیں، جنہوں نے جنوری کی سرد راتوں کا مزا چکھا ہوگا۔ ہڈیوں کے اندر تیر کی طرح گھسنے والی سرد ہواؤں کے وار اپنے ننگے جسم پر برداشت کئے ہوں گے۔ اس جان لیوا اور ہولناک سزا کا تصور وہ لوگ ہرگز نہیں کر سکتے۔ جن کی راتیں گرم کمروں کے آرام دہ بستروں میں گزرتی ہے۔

محمد اکرم نسیم پر ظلم کا خاتمہ یہیں نہیں ہوا۔ ۶ فروری کی دوپہر کو سائٹ تھانہ کے احاطہ میں اس پر لاتوں، جوتوں اور گھونسوں کی بارش کی گئی۔ اسے جانوروں کی طرح زدوکوب کیا گیا۔ اسے اس بات کی سزا دی گئی کہ اس نے زیب تن ٹیکسٹائل ملز کے سیٹھ کے خلاف بیان کیوں دیا۔

سائٹ تھانہ کے سامنے اٹلی ٹیکسٹائل ملز اور اے بی فوڈ انڈسٹریز واقع ہیں۔ وہاں کے مزدوروں کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو چند مزدور پوچھ گچھ کے لئے تھانے پہنچ گئے۔ ان میں اٹلی ٹیکسٹائل ملز ورکرز یونین کے جنرل سیکرٹری محمد جعفر بھی شامل تھے۔ تھانہ کے ایس ایچ او کو شائد چند مزدوروں کا یہ انداز کھل گیا۔ شاید یہ بات ایس ایچ او کی برداشت سے باہر تھی کہ مزدور اپنے مزدور ساتھی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے تھانہ میں پہنچ جائیں۔ اس بات کی آزادی نہ تھی اور نہ اب ہے۔ بتایا گیا کہ ایس ایچ او اور چند پولیس والے مبینہ طور پر محمد جعفر، عبدالکریم اور دوسرے مزدوروں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں بری طرح زدوکوب کیا گیا۔ عبدالکریم کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ اسے نیم بے ہوشی کے عالم میں تھانہ کے باہر پھینک دیا گیا۔

اس وقت دن کے ڈھائی بجے تھے۔ سائٹ تھانہ کے سامنے والے کارخانوں میں دوسری شفٹ کے مزدور اندر جانے کے لیے جمع ہو رہے تھے۔ انہوں نے عجیب و غریب۔ اور اندوہناک منظر دیکھا۔ تھانہ کے چند باوردی افراد مزدوروں کو بُری طرح مار پیٹ رہے ہیں۔ یہ منظر ان کے لئے نیا نہیں تھا۔ ایسے منظر انہوں نے کئی بار دیکھے۔ یہ جانکاہ حادثہ ان کے جسم و جاں پر سینکڑوں بار گزر چکا ہے۔ ان کے جسم پر زخموں کے ان گنت نشان آج بھی تازہ ہیں، پھر بھی جب اپنے بھائیوں کو اس عالم میں دیکھا تو ان کا لہو گرم ہو گیا۔ انہوں نے فیکٹری کے گیٹ کے باہر کھڑے ہو کر پولیس کی غنڈہ گردی پر زبانی احتجاج کیا۔ یہ بات بھی پولیس کو انتہائی ناگوار گزری چنانچہ تھانے پر موجود پولیس کو مزدوروں کی سرکوبی کے لئے بھیج دیا گیا۔ پولیس نے اس جگہ پہنچتے ہی مبینہ طور پر لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے مزدوروں پر حملہ کر دیا۔ جو مزدور ان کے ہاتھ آ گیا، اسکی درگت بنا دی گئی۔

مزدوروں نے جب دیکھا کہ پولیس رعایت کے بغیر دنادن لاٹھیاں برسا رہی ہے تو وہ بے چارے اپنی جان بچانے کے لئے ملز کے اندر بھاگ کھڑے ہوئے۔ پولیس نے ان کا تعاقب کیا اور جو جہاں مل گیا غنیمت جان کر اس کی زبردست ٹھکائی کر دی۔ اس واقعہ کے چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ لٹھ بردار پولیس تقریباً ڈھائی گھنٹے تک بلی چوہے کا کھیل کھیلتی رہی۔

ان واقعے کا دوسرا المناک پہلو یہ ہے کہ اتنے بڑے واقعہ

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

سحر انیس

افسانہ

آزادی

ابھی سورج نہیں ڈوبا تھا۔!

لال دین نے لہلہاتے ہوئے کھیت پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔ اسے یوں لگا جیسے چاول کا گنگناتا ہوا کھیت اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ لال دین نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور سوچنے لگا کہ کیا واقعی وہ کھیت کا خالق ہے۔

لال دین واقعی خالق تھا اس کھیت کا، اس مقدس دھرتی کا جس کی بدولت اَن گنت لوگ اپنی سانسوں میں توانائی اور جسموں میں حرارت لئے حیات کے مختلف شعبہ میں اپنی اپنی شخصیت کا بت تعمیر کرنے کے قابل ہو سکتے تھے۔! دھرتی سے توانائی حاصل کرنے والے شاہراہ حیات پر منڈلاتے پھر رہے تھے۔ مسرت و انبساط کی ایک دنیا میں ڈوبے جا رہے تھے۔ لیکن دھرتی کا خدا۔ مٹی کو جیون دینے والا کسان۔ خوبصورت چاولوں کے کھیت کا تخلیق کار چاول کے دانے دانے کا محتاج ہے۔ اس کی دنیا سکون اور آسودگی سے کوسوں دور ہے۔

جاگیردارانہ نظام کی زنجیروں میں جکڑا ہوا لال دین کتنا بے بس اور مجبور تھا۔ کھیت جو اس کی زندگی تھا۔ وہ بھی اسی کا نہ تھا۔ ہل۔ بیل۔ درانتی اور دوسرے پیداواری آلات پر بھی اس کا کوئی اختیار نہ تھا۔ جاگیردار اور اس کے پالتو غنڈے جب چاہتے اس سے وہ تمام چیزیں چھین لیتے۔ جب چاہتے نواز دیتے۔

صدیاں بیت گئیں۔ اس کے اجداد ہل چلاتے ہوئے مر گئے۔ نئے نئے کھیت پیدا ہوتے رہے۔ پرانے لوگ مرتے رہے۔ نئی نئی فصلیں تیار ہوتی رہیں۔ جاگیردارانہ نظام بوڑھا ہوتا گیا۔ لیکن اس کی موت واقع نہ ہوئی۔ بلکہ جیسے جیسے دن بیت رہے تھے۔ نظام کی کمر جھکنے کی بجائے سیدھی ہوتی جا رہی تھی۔ جب کہ اس کی ٹوٹی پھوٹی جھگی کئی بار گر چکی تھی...... آخر وہ بھی تو اس نظام کی یادگار تھی۔ لیکن وہ کیوں بوڑھی ہو گئی۔ وہ کیوں مر گئی۔ اسے بھی جاگیردارانہ نظام کی طرح زندہ رہنا چاہیئے تھا۔

اس نے پسینہ پونچھتے ہوئے اپنے اطراف کی فضا پر ایک نظر ڈالی۔ دور سے اسے افضل خان اپنے ناتواں جسم کو ناپتا تولتا ہوا اپنی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے سوچا شاید پچھلے برس کی طرح اب کے برس بھی یومِ آزادی کی مٹھائی کسانوں میں تقسیم کرنے کی ذمہ داری جاگیردار کی طرف سے اسے ہی سونپی گئی ہے۔ افضل خان جو بوڑھا تھا۔ افضل خان جو تپ دق کا مریض تھا۔ افضل خان جو آزادی کا متوالا تھا۔ خود اپنے پیروں میں جاگیردارانہ نظام کی زنجیریں ڈالے آزادی کی خوشی میں مٹھائی بانٹنے آ رہا تھا۔ اسنے پھر ایک بار اپنے چہرے سے پسینہ پونچھا۔ اور سوچنے لگا، آزادی لئے ہوئے پچیس برس بیت گئے۔ آزادی سے پہلے اس نے اپنے بڑے بھائی گلاب دین سے سنا تھا کہ آزادی ملنے کے بعد کھیت کسانوں کے ہوں گے۔ جاگیردار اور اس کے حاشیہ برداروں اور بہی خواہوں کے سارے خواب جل جائیں گے۔ لیکن پورے پچیس سال بیت گئے۔ گویا ایک چوتھائی صدی بیت گئی لیکن کسانوں کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ان کے بدبودار کپڑے سوندھی سوندھی مٹی میں روئی اگانے کے باوجود بدبودار ہی رہے۔ ان کے گھر کی کوٹھری پہلے کی طرح اندھیروں میں ڈوبی رہی۔ ان کی پوتر اور مقدس بیٹیاں، وڈیروں اور جاگیرداروں کے بستر کی شکنیں بنتی رہیں۔ پھر یہ آزادی۔ یہ آزادی کیسی آزادی ہے؟ - وہ ایک دم سے جذباتی ہو گیا اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

چند لمحوں بعد جب اس کے آنسو تھمے تو اس نے نظریں اٹھائیں۔ سامنے افضل خان ہاتھوں میں مٹھائی کا دونا تھامے ہوئے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے تھے لال دین۔" وہ کھانسا ؟

"کچھ نہیں افضل بھائی۔ تم کیسے ہو"

"ٹھیک ہی ہوں بھیا۔ یہ مٹھائی لے لو"

"کس نے دی ہے؟"

"جاگیردار کے آدمی آئے تھے کہنے لگے یہ مٹھائی اپنوں میں تقسیم کر لو۔ آج یومِ آزادی ہے نا"

افضل خان پھر کھانسا۔ اس سمئے لال دین نے افضل خان کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

اس لمحہ لال دین کو یاد آیا کہ آج سے ٹھیک پچیس برس پہلے افضل خان کا پورا کنبہ آزادی کی بھینٹ چڑھ گیا تھا صرف وہ اور اس کی بہن بچ رہی تھی۔ لیکن ایک دن اپنے ملک آتے ہوئے چند لٹیرے اس کی بہن کو بھی اٹھا لے گئے۔ اس نے سوچا نہ جانے اس میں کتنی بہنیں ہوں گی جن کی عزت خود ان کے بھائیوں نے لوٹ لی ہوگی۔ جو آج بھی اپنے بھائیوں کے سامنے ننگی ناچ رہی ہیں۔ لیکن ان کے بھائی انہیں پہچانتے نہیں۔ اس لئے کہ ملک آزاد ہو گیا ہے۔ اور آزادی افضل خان کی کھانسی کی طرح ہے جو ہر لمحہ ذہن میں کچوکے لگاتی ہے۔

"بیٹھ جاؤ افضل بھائی" اس نے افضل کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں دینو بھائی۔ ہم لوگوں کی قسمت میں بیٹھنا کہاں۔ سانس کا دورہ کچھ زیادہ ہی شدید ہو گیا ہے۔ لیکن صبح ہی سے کام پر لگا ہوں۔ جاگیردار کہتا ہے کہ آزاد لوگوں کو زیادہ کام کرنا چاہیئے۔ افضل خان پھر زور سے کھانسا۔ اور کھانستے کھانستے نڈھال ہو گیا۔ لال دین نے زمین پر بیٹھنے میں اسے مدد دی۔ اچانک اسے خون کی لمبی قے آئی۔ اور اس کے بعد پھر اس سے بھی لمبی قے۔ دیکھتے دیکھتے افضل خان لمبا لمبا لیٹ گیا۔ اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ دینو نے بڑھ کر اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ اور اس کا پیٹھ سہلانے لگا۔ لیکن تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ افضل خان نے کچھ دیر بعد ایک لمبی سی ہچکی لی اور اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ دینو کی دردناک چیخ دور تک لہراتی چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ افضل خان کی لاش دونوں ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے بستی کی طرف جا رہا تھا۔

"افضل خان تم بھی مر گئے۔ آزادی کا راگ الاپتے ہوئے۔ اور نہ جانے تم جیسے کتنے ہی افضل خان اسی طرح آزادی کا گیت گاتے ہوئے اسی انداز سے مر گئے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کل میں بھی...... لیکن ٹھہرو...... مجھے رمضانو کے

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

چودھری غلام قادر گاگھڑا (صدر پیپلز پارٹی بدین) سے ایک ملاقات



پیپلز پارٹی بدین کا صدر ڈی پی آر کا نشانہ بن گیا

۷،۰۰۰ آباد کاروں کو بیدخلی کا نوٹس دے دیا گیا

احفاظ الرحمٰن

پیپلز پارٹی کے ان بنیادی کارکنوں پر جنہوں نے اسے اپنا لہو دے کر پروان چڑھایا تھا، برسر اقتدار گروہ نے عقوبتوں کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ اس کی ایک مثال چوہدری غلام قادر گاگھڑا ہیں۔

گزشتہ دنوں کراچی میں چودھری غلام قادر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ان مظالم کا ذکر کیا جو برسر اقتدار گروہ نے ان پر روا رکھا ہے۔ چوہدری غلام قادر نے مختصراً اپنی سیاسی سرگرمیوں کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بتایا کہ وہ پیپلز پارٹی میں کس آس پر شامل ہوئے تھے۔ اور بعد میں ان کی پارٹی نے کس طرح اپنے منشور کی دھجیاں بکھیریں۔

چوہدری غلام قادر گاگھڑا پیپلز پارٹی، بدین کے صدر ہیں۔ وہ پیپلز پارٹی میں اس وقت شامل ہوئے جب برسر اقتدار گروہ کے بہت سے افراد اس کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ چوہدری غلام قادر نے پیپلز پارٹی کے لیے دن رات ایک کر دیا۔ ان کے پاس سات بسیں تھیں۔ انہوں نے اپنا سارا سرمایہ پیپلز پارٹی کی نذر کر دیا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ پیپلز پارٹی کی کامیابی سوشلزم کا پیغام لے کر آئے گی، لیکن جب ان کی آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے استحصال کا خاتمہ کرنے کے لئے انہوں نے پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کی تھی، وہ آج بھی برسر اقتدار ہیں۔ اور جب انہوں نے برسر اقتدار افراد کی بدعنوانیوں کے خلاف احتجاج کیا تو انہیں ڈی پی آر کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ انہیں اپنے خلوص اور دیانتداری کا صلہ جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی کی صورت میں ملا، اور اب انہیں شدت سے اس بات کا احساس ہو رہا ہے کہ انہوں نے کیکر کے پیڑ میں گلاب کے پھول اگانے کی کوشش کی تھی۔

چوہدری غلام قادر معروف سیاسی شخصیت ہیں۔ جب ان کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کیا جا سکتا ہے تو عام کارکنوں کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا جاتا ہوگا۔ چوہدری غلام قادر نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۳۷ء میں کیا تھا۔ وہ گاگھڑا، گجرات کے ایک غریب کسان کے گھر پیدا ہوئے تھے۔ زمین بہت کم تھی۔ ان کا گھرانہ سارا سال افلاس کی زندگی بسر کرتا تھا۔ جب وہ کچھ بڑے ہوئے تو انہیں اپنے گھر والوں کی مدد کے لئے لاہور جانا پڑا۔ لاہور ریلوے میں انہیں ڈبوں کی صفائی کرنے کا کام مل گیا۔ وہ چونکہ ایک غریب کسان کے گھر پیدا ہوئے تھے، اس لئے ان کے ذہن میں یہ سوال ہمیشہ ابھرتا رہتا تھا کہ امیری اور غریبی کے درمیان اتنا بڑا فرق کیوں ہے۔ لاہور میں انہوں نے یہ دیکھا کہ کسانوں کی طرح مزدور بھی ایک چھوٹے سے طبقے کا نشانہ بن رہے ہیں۔ ان کے دل میں جاگیرداری اور سرمایہ داری کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی۔ انہیں تجربے نے یہ بھی بتا دیا کہ جب تک مظلوم طبقے متحد ہو کر میدان میں نہیں آئیں گے اس وقت تک وہ ظالم طبقوں کو شکست نہیں دے سکتے۔

اس مقصد کے تحت انہوں نے مزدوروں کو منظم کرنے کا بیڑہ اٹھا لیا۔ انہوں نے لاہور میں تانگے والوں کی یونین بنائی۔ وہ اس یونین کے جنرل سیکرٹری تھے۔ اکتوبر ۳۷ء میں انہیں حکومت کے مظالم کے خلاف تقریر کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر چونکہ ۱۹ سال تھی، اس لئے انہیں بورسٹل جیل میں رکھا گیا۔ چھ ماہ کے بعد انہیں رہا کیا گیا۔ ۳۸ء میں وہ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ انبالہ ڈویژن میں کام کرنے چلے گئے۔ ۱۹۴۰ء



ہاری اسکیم کے تحت دی جانیوالی زمینوں پر سود وصول کیا جا رہا ہے

ہیں انہوں نے سامراجی عالمی جنگ کے خلاف عوام کو منظم کیا۔ اس جرم میں ان کے بعض ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا، اور وہ خود بھاگ کر بمبئی چلے گئے۔ ۱۹۴۱ء میں وہ فوج میں بھرتی ہو گئے۔ اور جب انہیں سنگاپور کے محاذ پر بھیجا گیا تو وہ وہاں سبھاش چندر بوس کی آزاد ہند فوج میں بھرتی ہو گئے۔ اس دوران وہ مختلف محاذوں پر انگریز کے خلاف لڑتے رہے۔ برما میں انہیں اور ان کے چالیس پچاس ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ کچھ عرصہ رنگون جیل میں رہے۔ بعد میں انہیں علی پور (کلکتہ) کی جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ وہاں سے دہلی کے لال قلعے میں لے جایا گیا۔ آصف علی، پنڈت نہرو اور دوسرے ممتاز وکیلوں نے ان کا مقدمہ لڑا۔ اور بالآخر نومبر ۴۵ء میں انہیں رہا کر دیا گیا۔ رہائی پا لے کے بعد وہ واپس گاکھڑا آئے تو ان کا گھر افلاس کی آگ میں جل رہا تھا۔ ان کے والد نے لوگوں سے کہا، "دوسرے لوگ فوج سے آتے ہیں تو گھر پیسے لاتے ہیں، میرا بیٹا فوج میں گیا تو روز سی آئی ڈی والے ہمیں پریشان کرتے ہیں!"

۱۹۴۶ء میں لاہور میں سابق فوجیوں کی ایک میٹنگ ہوئی، جس کی صدارت کرنل افتدار علی شاہ دلا نے کی۔ اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ پاکستان بننے والا ہے، اس لئے ہمیں اس کے لئے فضا سازگار کرنی چاہیئے، خاص طور پر مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کو ہتھیار سپلائی کرنا چاہیئے۔ ۴۷ء میں پاکستان بننے کے بعد، آزاد کشمیر فوج بنی تو غلام قادر گاکھڑا اور آزاد ہند فوج کے دوسرے سابق فوجی بھی اس میں بھرتی ہو گئے۔ ۴۸ء میں لیاقت علی خان نے راولپنڈی میں اعلان کیا کہ بھارت کے ساتھ سمجھوتہ ہو گیا ہے، اس لئے تمام رضاکار دستے توڑے جاتے ہیں، چنانچہ غلام قادر ایک بار پھر اپنے گاؤں واپس چلے گئے۔ وہاں انہوں نے کسان کمیٹی بنائی، جس کا مقصد کسانوں اور چھوٹے زمینداروں کو جاگیرداروں کے مظالم کے خلاف منظم کرنا تھا۔ ۵۰ء میں میاں افتخار الدین نے آزاد پاکستان پارٹی بنائی تو وہ بھی اس میں شامل ہو گئے اور انہیں ضلع گجرات کا آرگنائزر مقرر کیا گیا۔ پھر وہ اس شاخ کے صدر منتخب ہو گئے۔ بعد میں ان کا میاں صاحب سے اختلاف ہو گیا۔

اور وہ عوامی لیگ میں شامل ہو گئے۔ ایوب خان کا مارشل لا لگا تو ان کی سرگرمیاں معطل ہو گئیں۔ ۶۰ء میں سیم و تھور زدہ زمینوں کے مالکان کو غلام محمد بیراج میں زمینیں دی گئیں تو انہیں بھی اپنا حصہ ملا۔ انہوں نے اپنی گاؤں والی زمین فروخت کر دی اور بدین میں آباد ہو گئے۔ یہاں انہوں نے ٹرانسپورٹ کا کام شروع کر دیا۔

میاں محمود علی قصوری ۱۹۶۶ء میں ان کے پاس گئے اور انہیں عبدالمجید سندھی سے ملایا اور انہیں نیپ کے لئے کام کرنے کی دعوت دی۔ لیکن وہ نیپ کے لئے کام نہ کر سکے۔ کیوں کہ اس دوران میر تالپور نے ان سے کہا کہ بھٹو صاحب ایک نئی پارٹی بنانے والے ہیں، ہم اس میں کام کریں گے۔ چوہدری غلام قادر نے ان سے کہا "یہ بڑے لوگ ہمارے ساتھی نہیں ہو سکتے"۔ بعد میں میر صاحب نے انہیں بھٹو صاحب سے ملوایا۔ انہوں نے کہا "ہم سوشلزم لائیں گے۔" چوہدری غلام قادر نے ان کی بات پر یقین کر لیا، اور پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھتے ہوئے پیپلز پارٹی کے لئے کام کیا۔ ان کی کار، جیپ اور بسیں پیپلز پارٹی کے لئے وقف تھیں۔ ہر ماہ وہ تین ہزار سے پانچ ہزار روپے تک صرف کرتے تھے۔ انہیں اس بات کا کوئی غم نہیں تھا کہ ان کی رقم دوسروں پر صرف ہو رہی ہے۔ انہیں تو بس اس بات کی خوشی تھی کہ ان کے ملک میں سوشلزم آنے والا ہے۔ ان کی آنکھیں سالہا سال سے جس منصفانہ نظام کی آس لگائے بیٹھی تھیں، وہ اب دور نہیں تھا۔

انہوں نے اسی توقع پر اپنی ساری دولت پیپلز پارٹی پر قربان کر دی۔ اور اب حالت یہ ہے کہ ان کے پاس صرف دو بسیں رہ گئی ہیں۔ اب انہوں نے دو اور بسیں قرضے پر لی ہیں۔ مجموعی طور پر ان پر تین چار لاکھ روپے کا قرضہ چڑھا ہوا ہے۔ ان کی کار، جیپ اور ٹریکٹر ان کے پاس نہیں رہا، اس کے باوجود وہ خوش تھے کہ ان کی پارٹی نے الیکشن میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔

لیکن جب ان کی پارٹی کو اقتدار ملا تو انہیں معلوم ہوا کہ دنیا اسی ڈھنگ پر چل رہی ہے۔ بدعنوانیاں زوروں پر ہیں۔ اقربا پروری، رشوت خوری، اسمگلنگ، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ پہلے تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب ان کی پارٹی کو مہلت ملے گی تو وہ سرگرمی سے ان بدعنوانیوں کا خاتمہ کرے گی۔ لیکن وقت گزرتا گیا، اور حالات سنبھلنے کی بجائے بگڑتے چلے گئے۔ انہوں نے اپنے علاقے کے وزیروں سے کہا کہ بدعنوانیوں کا خاتمہ کرو، اور لوگوں کی توقعات پوری کرو۔ جب انہوں نے مستقل مزاجی کے ساتھ، صحت مندانہ انداز میں تنقید کی، تو برسرِ اقتدار گروہ ان کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کرنے لگا۔ ان کو دھمکیاں دی گئیں کہ اگر انہوں نے اپنی زبان بند نہ رکھی تو انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

چوہدری غلام قادر اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، اور ان کا ضمیر جاگ رہا تھا۔ چنانچہ یکم فروری ۷۳ء کو انہیں اور ان کے تین ساتھیوں محمد صدیق ویڑا، صدر پیپلز پارٹی ٹنڈو باگو، چوہدری ریاض احمد، صدر سندھ آباد کار یونین کھوسکی مل ایریا اور سید اختر حسین شاہ جنرل سیکرٹری آباد کار یونین کھوسکی کو ڈی۔ پی۔ آر کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ وہ چند دن حیدرآباد جیل میں رہے، اور بعد میں میر علی احمد تالپور کی سفارش پر رہا ہوئے۔

چوہدری غلام قادر کا کہنا ہے کہ "ہم تخریب کار نہیں ہیں، ہمارے ساتھ ایسا نامنصفانہ سلوک کیوں کیا جا رہا ہے۔ صحت مندانہ تنقید کو کیوں نہیں برداشت کیا جاتا۔ ہم لوگوں کے مسائل سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہر انسان کو انسان سمجھا جائے۔ اور علاقائی بنیاد پر عوام کے درمیان نفرت نہ پھیلائی جائے۔ نئے سندھی اور پرانے سندھی آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انہیں مل جل کر رہنا ہے۔ آباد کاروں کے خلاف جو مہم چلائی جا رہی ہے اس کا مقصد عوام کو گروہوں میں بانٹنا ہے۔ نئے سندھیوں کو چن چن کر نکالا جا رہا ہے۔ آخر ان کا کیا قصور ہے۔ ہم نے جو خواب دیکھا تھا، اس کی تعبیر ابھی تک نظر نہیں آئی۔ ہم نے یہ نعرہ پیش کیا تھا کہ زمین اس کی جو ہل چلائے، مشین اس کی جو مشین کا پہیہ چلائے۔ لیکن عملی طور پر کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ جاگیردار اور سرمایہ دار اب بھی سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔ مزدور اور کسان آج زبوں و خوار ہیں۔ تمام وزیر ہر شعبے میں اپنے اپنے آدمی لگوا رہے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو ذاتی وفاداریوں کی بنیاد پر ترقی پاتے ہیں۔ انہیں پیپلز پارٹی اور اس کے پروگرام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دن دھاڑے چوریاں ہوتی ہیں۔ کھلم کھلا رشوتیں لی جاتی ہیں۔ ہاریوں کو ان کی زمینوں سے بے دخل کیا جا رہا ہے۔ سیاسی مخالفین کو وزیروں کے اشاروں پر گرفتار کیا جا رہا ہے۔ شرفاء کے سروں پر دفعہ ۱۱۰ کی تلوار

وہ سبھاش چندر بوس کی فوج میں رہ چکے ہیں



لٹک رہی ہے۔ بدین جیل کی حالت اتنی خراب ہے کہ اس میں کتے تک رہنا گوارہ نہ کریں۔"

چوہدری غلام قادر نے اپنے علاقے کی مثال دیتے ہوئے بتایا کہ مسائل اب تک جوں کے توں ہیں "وڈیروں کی جھولیاں بھر رہی ہیں اور غریب افلاس کے بوجھ سے جھکے جا رہے ہیں۔ گولارچی میں کوئی ہائی اسکول نہیں ہے۔ کوئی سڑک نہیں ہے۔ ملک کا سرمایہ دوسری طرف ضائع ہو رہا ہے۔ بدعنوان وزیر اور ان کے افسر جی بھر کے "مال" کھا رہے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ ہاری اسکیم کے تحت آباد کار کسانوں کو ۳۲ ایکڑ فی کس کے حساب سے زمینیں دی گئی تھیں۔ اور ان زمینوں پر سود وصول کیا جا رہا ہے۔ ہم نے کہا، اگر مفت زمینیں نہیں دے سکتے تو کم از کم سود تو نہ لو، لیکن ہماری کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ اس کے علاوہ ۲۷۰۰۰ آباد کاروں کو نوٹس دے دیا گیا ہے کہ ان کی زمینیں منسوخ کر دی جائیں گی۔ اگر حکومت نے ایسا کیا تو کم از کم ایک لاکھ افراد متاثر ہوں گے اور " عوامی حکومت " کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگ جائے گا۔ غریب پیپلز پارٹی کے لئے اپنا سب کچھ لٹا بیٹھے ہیں۔ انہیں اور نہ لوٹو۔ ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ہماری پارٹی ان کے حقوق کا تحفظ کرے گی۔ اب ہم انہیں کیا منہ دکھائیں۔"

چوہدری غلام قادر نے کہا " سماج کے ڈھانچے میں بنیادی تبدیلیاں لائے بغیر عوام کے حقوق کا تحفظ نہیں کیا جا سکتا۔ وڈیرہ شاہی کو آگے بڑھا کر ہاریوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا جا سکتا۔ وڈیروں کا ماضی داغدار ہے۔ وہ ہر حکومت کا ساتھ دیتے رہے ہیں۔ ان لوگوں کی وجہ سے پیپلز پارٹی کا اس کے کارکنوں سے رابطہ ٹوٹ چکا ہے۔ ہم عوام سے بہت دور ہو گئے ہیں، کیونکہ اب وڈیرے لوگ اسے منہنچی پارٹی ہی کہتے ہیں۔ عوام اسے کس منہ سے اپنی پارٹی کہیں۔ ہمیں دکھ ہوتا ہے کہ جس پارٹی کو ہم نے اپنا لہو دیا، اس کلی کو کھلنے سے پہلے ہی مسل دیا گیا۔ ڈی پی آر اتنا سستا ہے کہ کسی کی پگڑی سلامت نہیں رہی۔ وڈیروں کو وزیروں کی کرسیاں دی جا رہی ہیں۔ عام کارکنوں کو اب کوئی پوچھتا تک نہیں۔"

چودھری غلام قادر نے آخر میں کہا کہ " اب بھی وقت ہے کہ پیپلز پارٹی کے ارباب حل و عقد سنبھل جائیں، اور خلوص اور دیانتداری سے بدعنوانیوں کا خاتمہ کرنے کی کوشش کریں۔ پرانے بدمعاشوں سے نجات حاصل کریں۔ ہم صدر بھٹو سے اپیل کرتے ہیں کہ مخلص کارکنوں کو آگے لائیے، جنہوں نے ایوبی آمریت کا مقابلہ کیا تھا۔ جو اپنے پیٹ سے بچہ جنتا ہے وہ اس سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ برسر اقتدار گروہ سوتیلی ماں کی طرح اس کی بوٹیاں نکال نکال کر کھا رہا ہے۔ جاگیرداروں سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کو اس پارٹی سے کیا محبت ہو سکتی ہے۔ وہ تو عوام کے شعور کو پیچھے کی طرف دھکیلنا چاہتے ہیں، اور اپنا لوٹ مار کا کاروبار جاری رکھنا چاہتے ہیں۔"

بقیہ: ظاہری خبریں اندرونی کہانیاں

دوسرے کے عیب ظاہر نہیں کرتے، کیونکہ ایک کی برہنگی دوسرے کی برہنگی کے ساتھ مشروط ہوتی ہے، ایک کے عیب دوسرے کے عیبوں میں پیوستہ ہوتے ہیں اور ایک کی خوبیوں میں دوسرے کی خوبیوں کا راز مضمر ہوتا ہے۔ لوگ فائدے میں رہے ہیں شہباز والوں نے سر شاہنواز بھٹو مرحوم کے بارے میں اپنے اعلانات کو طوالت دے کر سمجھوتے کا جو میدان مارا اس کی غائیت یہی تھی کہ اگر یہ سلسلہ چل نکلا تو پھر بہت کچھ سامنے آ جائے گا۔ پھر بہت کچھ کھلے گا۔ مساوات والے انکل بہرام تک تو پہنچ ہی گئے تھے۔ اگر بات آگے بڑھتی تو لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ خان بہرام خان عرف انکل بہرام کو انگریزوں نے کن خدمات کے عوض زمینیں دی تھیں کن خدمات کے عوض ان کے ایک فرزند کو لندن میں تعلیم کے علاوہ برطانوی نژاد خاتون سے شادی کا اعزاز دیا گیا تھا، کن تعلقات کی بنا پر خوانین کے خاندان کے فرزندان کو خاص طور پر برطانیہ میں تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں دی گئی تھیں۔ سر لنبذ کا کون تھا؟ اور بہرام خاں کے کھیتوں میں ملنے والی ہندو کی لاش کا کیا پس منظر تھا؟ اور بہت کچھ۔ منظر عام پر آتا جس سے خلق خدا کا بھلا ہوتا۔ ان سادہ لوح اور مظلوم کسانوں کا بھلا ہوتا جن کے سروں پر ایک خاندان کو خاندان نبوت بنا کر تھوپا جا رہا ہے۔

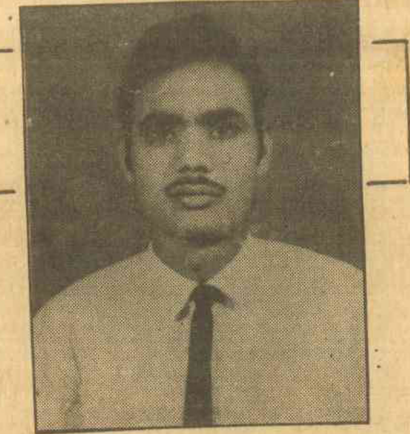
تو جناب عالی۔ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ اب اس مشترکہ اجلاس کا جواز پیدا ہو گیا ہے جس کے بارے میں میں نے ابتدا عرض کیا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس اعلان کے بعد کتنے لوگ خاندان بہرامیہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ میرا مشورہ تو یہی ہے کہ وہ مولانا کوثر نیازی کے ہاتھ پر بیعت کریں جنہوں نے شہباز کی طرف سے کسی ثبوت کے بغیر ہی صدر بھٹو کے والد مرحوم پر سیاسی جرائم کی قدغن ثابت کر دی ہے کاش صدر بھٹو اس نکتے تک پہنچ سکیں۔!

ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں

"الفتح" ایجنٹ حضرات کے تعاون کا از حد ممنون ہے۔ بعض کرمفرماؤں نے جریدے کی مقبولیت میں جہاں بھرپور تعاون کیا ہے وہاں بعض نے عدم تعاون کی حد کر دی ہے۔ ایک ایک سال سے زیادہ مدت کے واجبات ادا نہیں کئے اور یاددہانیوں پر کوئی توجہ نہ دی۔ ادارہ اخبار فروش برادری کے احترام کے طور پر ان افراد اور اداروں کے نام شائع کرنے سے گریز کرتا رہا، اور خط و کتابت، رجسٹرڈ لیٹر اور دیگر ذرائع سے واجبات کی وصولی پر زور دیتا رہا۔ ادارہ ایک بار پھر نادہندگان کو اسی جذبۂ احترام کے تحت ۲۵ فروری ۷۳ء تک کا موقع دے رہا ہے کہ وہ واجبات ادا کر دیں۔ بصورت دیگر نہ صرف الفتح میں اداروں کے نام، واجبات کی رقم اور مدت سے متعلق کوائف شائع کئے جائیں گے بلکہ قانونی چارہ جوئی سے بھی گریز نہیں کیا جائے گا ——— (ادارہ)

ظلم و تشدّد کی کہانیاں

تحریر : لئیق یوسف زئی



GOVERNOR'S SECRETARIAT
GOVERNOR'S HOUSE
KARACHI

No. SO(L) / 72 Dated 19-1-72

To,
The Director of Labour
Karachi.

I am desired by the Governor of Sind to forward the enclosed petition and to request you to call the petitioner and give him a hearing. If you are unable to accede to his request, please ensure that the reasons are explained to him.

Section Officer
for Secretary to Governor, Sind

Copy to :
For information Employees of Zeenat Zari.

ڈائریکٹر آف لیبر کے نام گورنر سندھ کے سیکرٹری کا خط

معمولی "صنعت کار" نے وزیر محنت کے اختیارات کو چیلنج کر دیا

ایک وقت تھا کہ پیپلز پارٹی کے چیئرمین جناب ذوالفقار علی بھٹو حریت پسندوں کی بستی لیاقت آباد میں تشریف لانے والے تھے۔ ڈاکخانے کی چورنگی استقبالیہ نعروں، پرچموں اور بینروں سے آراستہ تھی۔ ایک بینر پر لکھا تھا۔ مل مزدور کا، کھیت کسان کا، پاکستان عوام کا، اور ایک پر لکھا تھا، پاکستان پیپلز پارٹی ملک کے غریب عوام کو، روٹی، کپڑا اور مکان دلائے گی۔ اسی طرح اور بھی دلفریب نعرے تحریر تھے۔ ایوبی آمریت کی نمک حلال نوکر شاہی نے ہنستے عوام پر گولیاں برسا کر اپنا فرض ادا کیا جس سے کئی قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں جس میں میرا عزیز ترین ساتھی آلِ عباس شہید بھی شامل تھا۔ بھٹو صاحب واپس چلے گئے مظلوموں کی آہیں اور شہیدوں کا لہو رنگ لایا اور ایوب خان کو اقتدار چھوڑنا پڑا یحییٰ خان آیا۔ ہمارا آدھا ملک ہم سے چھین لیا گیا۔ ہمارے ۹۳ ہزار فوجی بھائی جنگی قیدی بنا لئے گئے۔ بھٹو صاحب کو اقتدار مِلا لیکن صدر بھٹو کے اقدامات اور مقبولیت سے نوکر شاہی اور سرمایہ دار بوکھلا اُٹھے انہوں نے سازشوں اور جوڑ توڑ کا جال بچھایا تاکہ عوامی حکومت ناکام ہو جائے رفتہ رفتہ حکومتی کارندے نوکر شاہی کا پُرانا ناٹک رچانے لگے۔ خوشامدی اور اقربا پرور حکومت کے اہم عہدوں پر فائز ہونے لگے۔ صدر بھٹو کے گرد بیورو کریسی کا حصار مضبوط ہونے لگا۔ مزدوروں پر گولیاں چلیں تو شہید چوک وجود میں آ گئے۔ لسانی جھگڑا کھڑا کیا تو اردو چوک اور اردو مینار نے تخلیق پائی اور اب پھر لانڈھی کے صنعتی علاقے میں پولیس نے گولیاں برسائیں اور کئی مزدوروں نے اپنے خون سے زمین کی پیاس بجھائی۔ ڈی۔ پی۔ آر کی تلوار نے نہ جانے کتنے بے گناہوں کو پسِ زنداں ڈال دیا۔ یہ سب باتیں عقل انسانی میں کس طرح سما سکتی ہیں؟ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی!

بہر حال ۱۹۶۹ء میں پاکستان پیپلز پارٹی کے نعرے سے متاثر ہو کر اور لیاقت آباد میں معراج محمد خان کے جلسۂ عام میں ان کی تقریر سن کر میں نے پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ صرف اس لئے کہ یہ استحصالی قوتوں سے چھٹکارہ دلا سکتی تھی اس کا اپنا انقلابی پروگرام تھا ایک بہتر مقصد اور منشور تھا لیکن آج جب کہ پیپلز پارٹی برسر اقتدار آ چکی ہے وہ اپنے وعدوں سے کوسوں دور ہے۔ اس کے منشور کا پتہ نہیں۔ اس کے نعرے ہمارا منہ چڑھا رہے ہیں۔ بے گناہ مزدوروں پر گولیاں کیوں چلائی جا رہی ہیں۔ مزدوروں کی اتنی کثیر تعداد میں گرفتاریاں کیا معنی رکھتی ہیں۔ یہی سب کچھ تو ایوب خان کے دورِ حکومت میں ہوتا تھا۔ گولیاں چلتی تھیں، جیلیں مزدوروں سے بھری پڑی تھیں دو مرتبہ مجھے بھی کراچی سنٹرل جیل میں مہمان رکھا گیا۔ اس لئے کہ اسی وقت میں بھی مزدور تحریک میں شامل تھا، اور اپنی یونین کا سیکرٹری جنرل تھا۔ پھر اب سوچنا پڑتا ہے کہ دورِ آمریت اور دورِ جمہوریت میں کیا فرق اور امتیاز باقی رہ جاتا ہے۔

اب میں ان حقائق کی طرف آتا ہوں جو ایک مثالی حقیقت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں زینت زری ہاؤس (انڈسٹریز) میں بحیثیت کرافٹ مین کام کرتا تھا۔ دوسرے صنعت کاروں کی طرح اس فیکٹری کے مالکان بھی غریب مزدوروں کا استحصال کرنے میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے اپنے مزدوروں کو ان تمام حقوق اور مراعات سے محروم کر رکھا ہے جو انہیں فیکٹریز ایکٹ مجریہ ۱۹۳۴ء کے تحت حاصل ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کو اقتدار ملنے کے بعد گویا مزدوروں کو ان کے خواب کی تعبیر مل چکی تھی۔ زینت زری ہاؤس (انڈسٹریز) کے مزدوروں نے مجھ سے کہا کہ میں ان کے حقوق سے متعلق مالکان سے بات چیت کروں۔ ان کے پیہم اصرار پر میں نے انتظامیہ کے مسٹر عین الدین سے سلسلہ جنبانی شروع کی اور انہیں مزدوروں کیطرف

سے مطالبات کی ایک فہرست پیش کی جسے انہوں نے غور کرنے کا وعدہ کرکے رکھ لیا۔ چند روز اور گذر جانے پر میں نے ان سے بات چیت کی تو ان کا رویہ بدلا ہوا تھا اور ان کے چہرے سے بیگانگی و بیزاری جھلکتی تھی۔ وہ مسلسل ٹال مٹول سے کام لیتے رہے جس کے نتیجے میں ہمارے ساتھیوں، مزدوروں میں بے چینی اور بے اطمینانی پھیلنے لگی آخر ان کے مجبور کرنے پر میں نے ۱۵ر جنوری ۱۹۷۲ء کو جناب ممتاز علی بھٹو گورنر سندھ، جناب ذوالفقار علی بھٹو، کمشنر کراچی اور لیبر ڈائرکٹریٹ میں درخواستیں ارسال کیں جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور مالکان ہم سے گفتگو پر آمادہ ہوگئے۔

اس دوران مینجر مسٹر محمد سعید چاندنہ اپنے اثر و رسوخ کی بدولت ہماری تحریک کو سبوتاژ کرنے میں لگے رہے۔ کبھی وہ لیبر ڈائرکٹریٹ اور کبھی پیپلز پارٹی کے کسی رہنما کے ذریعے ہماری راہ میں مشکلات پیدا کرتے اور کبھی اپنے اثر و رسوخ سے مرعوب کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔ بہرحال ۲۰ر جنوری ۱۹۷۲ء کو مسٹر عین الدین اور مسٹر سعید چاندنہ اور مزدوروں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا گیا جس کی رو سے مزدور صرف بیس یوم کی تنخواہ بطور بونس لینے پر آمادہ ہوگئے۔ اس معاہدے پر مزدور نمائندوں کی طرف سے راقم الحروف۔ محمد ایوب۔ محمد اسمٰعیل خان۔ ماسٹر الہ دین، شمشاد احمد اور ماسٹر محمد حنیف نے دستخط کئے۔ انتظامیہ کی طرف سے مسٹر عین الدین اور مسٹر سعید چاندنہ نے کئے۔ اس معاہدہ کی تکمیل کے چند روز بعد مسٹر عین الدین اور مسٹر سعید چاندنہ نے مجھے پریشان کرنا شروع کردیا اور وہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے مجھے ہراساں کرنے لگے۔ مسٹر سعید چاندنہ نے بارہا مجھے غنڈوں سے اغوا اور زدوکوب کرانے کی دھمکیاں دیں۔ انہوں نے رقم کا لالچ بھی دیا لیکن میں نے ضمیر فروشی کی بجائے اپنے لئے تنگدستی، مصائب اور مشکلات کی راہ منتخب کی۔

ایک روز (دن تاریخ یاد نہیں) چھٹی سے کچھ دیر قبل مسٹر چاندنہ نے مجھے آفس میں بلاکر کہا کہ لیئق آج تم رک جانا تمہاری مشین میں ایک سیمپل لگاکر دیکھنا ہے۔ میں شام کو رک گیا سب مزدور جاچکے تھے۔ آفس میں صرف میں، سعید چاندنہ، چوکیدار اللہ رکھا، مسٹر عین الدین اور ایک اور صاحب تھے، جو کہ میرے لئے اجنبی تھے، میں نے مسٹر سعید چاندنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا سعید صاحب کام بتائیں کیا کرنا ہے۔ وہ معنی خیز انداز میں مسکرائے اور پھر کہا "آؤ میرے ساتھ"، وہ مجھے آفس سے ملحقہ گودام میں لے گئے۔ مذکورہ افراد بھی وہیں آگئے۔ چوکیدار نے گودام کا دروازہ بند کردیا تو موقع کی نزاکت کا مجھے احساس ہوا۔ مسٹر سعید چاندنہ نے مجھے ایک سادہ کاغذ اور قلم دیا کہ اس پر اپنا استعفیٰ لکھ دو۔ میں نے انکار کیا تو انہوں نے سختی کرنے کی دھمکی دی۔ مسٹر عین الدین جو اب تک خاموش تھے، انہوں نے بڑی چاپلوسی سے کہا "دیکھو لئیق اس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے،



زینت ہوزری لیبر یونین کے عہدیدار

اگر تم نے استعفیٰ لکھ دیا تو میں یقین دلاتا ہوں، جب ضرورت محسوس ہوگی میں تمہیں پھر کام پر بلالوں گا" میں نے کہا میں کسی قیمت پر اس کے لئے تیار نہیں ہوں" تو انہوں نے زخمی ناگ کی طرح پھنکار کر کہا "تو پھر تم پر چوری کا الزام لگاکر ابھی پولیس کے حوالے کرنا پڑے گا" یہ سن کر میں لوکھلا سا گیا، میرے اوسان جاتے رہے۔ اس طرزِ عمل اور ذلت آمیز برتاؤ کی مجھے ان لوگوں سے کبھی امید نہیں تھی۔ لیکن یہ سرمایہ دار ذہنیت، دولت کے غلام، ہوس کے پجاری، سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ بادلِ نخواستہ مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ میں نے استعفیٰ لکھ دیا۔ اپنی موت کے پروانے پر دستخط کردیئے؛ اس لئے کہ میں جیل میں چوروں کا حشر دیکھ چکا تھا چوری کا ناکردہ الزام میری اور خاندان کی عزت خاک میں ملا سکتا تھا۔ ان کی ایمانداری کو ایک عرصے تک آزماتا رہا جس میں انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ کام پر واپس بلالیں گے میرے بعد کئی دوسرے ساتھیوں کو نکال دیا گیا۔ کچھ نئے لوگ کام پر رکھے گئے، پرانے نکالے گئے۔ میں نے کئی مرتبہ لیبر ڈائرکٹریٹ اور دوسرے متعلقہ محکموں کو درخواست دی، لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا بڑی امیدوں کے ساتھ جناب عبداللہ بلوچ صاحب، وائس پریذیڈنٹ پاکستان پیپلز پارٹی کراچی کے پاس گیا۔ تمام حالات سننے کے بعد انہوں نے مینجر مسٹر چاندنہ کے نام مختصر نوٹ درخواست پر لکھ کر اپنے دستخط اور مہر لگاکر مجھے دیا۔ لیکن مسٹر چاندنہ نے دھتکار دیا کہ مسٹر عبداللہ بلوچ جیسے تو ہماری جیب میں رکھے ہیں۔ پھر میں مسٹر عبدالستار گبول صاحب لیبر منسٹر سندھ سے ملا انہوں نے اسی درخواست پر مختصر نوٹ لکھ کر مہر لگادی اور اپنے دستخط کرکے مجھے بھیج دیا کہ جاؤ وہ تمہیں واپس کام پر لے لیں گے۔ جب میں مسٹر چاندنہ کے پاس گیا تو انہوں نے درخواست سرسری طور پر دیکھی اور مجھے واپس دے دی اور کہا گبول صاحب سے کہنا کہ بذریعہ ڈاک ہمیں بھیجیں پھر ہم جواب دیں گے۔ میں نے مورخہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۳ء کو صدر بھٹو سے کلفٹن کی رہائش گاہ پر ملاقات کرکے (جب وہ پ۔ پ۔ پ کے ورکروں سے بات چیت کر رہے تھے) تمام واقعات بتلائے اور انہیں وہ درخواست بھی دکھائی جس پر مسٹر گبول وزیر محنت و مسٹر عبداللہ بلوچ کے احکامات درج تھے۔ جسے صدر محترم نے وزیر بلدیات مسٹر جام صادق کو دیتے ہوئے کہا کہ اس پر کارروائی کی جائے۔ جام صاحب نے مجھ سے کہا کہ ۲۸ر جنوری کو میرے پاس آئیں، اس وقت سے میں سندھ اسمبلی میں ان کے دفتر کا برابر طواف کر رہا ہوں لیکن وزیر موصوف کے دفتر میں تالا پڑا نظر آتا ہے، وزیر محنت کے سکریٹری جناب بخاری صاحب سے ۲ر فروری ۱۹۷۲ء کو معلوم کیا تو انہوں نے بتایا ہمارے پاس صدر صاحب کی دی ہوئی کوئی درخواست نہیں آئی۔ خدا جانے اس درخواست کا کیا حشر ہوا، کچھ معلوم نہیں۔

یہ سرمایہ داروں کا حکومت کو کھلا چیلنج ہے۔ لیبر منسٹر کی حیثیت اور اختیارات اس قابل بھی نہیں کہ ایک معمولی صنعتکار اور تین سو روپے تنخواہ پانے والا مینجر ڈھٹائی سے توہین آمیز انداز میں ان کے احکامات کو پامال کرے۔ صرف یہی نہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ زینت ہوزری ہاؤس (انڈسٹریز) کے مالکان مجھ سے اس لئے بھی خائف تھے کہ میں قومی آمدنی میں ان کی طرف سے کی جانے والی دھاندلیوں اور چوریوں سے حکومت کو آگاہ کرنے والا ہوں۔ میں وثوق کے ساتھ حکومت کے علم میں یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ زینت

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

ہنزہ میں بیگار لینے کا رواج کب ختم ہوگا؟

حکایت شاہ

ریاست ہنزہ کے شمال میں گوجال کا علاقہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ یہ علاقہ شاہراہِ ریشم کے ذریعے چین جیسے عظیم ملک سے ملا ہوا ہے، اور روس اور افغانستان کی سرحدیں بھی اس سے ملتی ہیں۔ گوجال انتہائی پس ماندہ علاقہ ہے۔ یہاں کے غریب کسان آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ میر آف ہنزہ کے بدعنوان پٹھو کسانوں اور چرواہوں سے بھاری ٹیکس وصول کرتے ہیں۔ شمشال، خون جراب کلیک اور چپورسن کی چراگاہیں میر کے مویشیوں کے لئے مخصوص ہیں۔ ان میں چپورسن سب سے پس ماندہ ہے۔ یہاں اشتمن اور دان کوت کے علاقے میر کے مویشیوں کی چراگاہوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ غریب کسانوں کو میر کے لئے بیگار کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ وہ اس کے مویشیوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں، لیکن انہیں ایک پائی بھی معاوضہ نہیں دیا جاتا۔ وہ اس کی زمینوں پر کاشتکاری کرتے ہیں، لیکن انہیں اناج کا ایک دانہ تک نہیں ملتا۔ غریب کسان اپنے خرچ پر میر کی زمینوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں، اور سال سال بھر اپنے گھر والوں سے نہیں مل سکتے۔ اگر وہ کسی ایسی خواہش کا اظہار کرتے ہیں تو میر کے غنڈے ان کی کھال ادھیڑ ڈالتے ہیں۔ خود ان کی زمینیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ لیکن انہیں میر کی زمینوں پر بیگار سے نجات نہیں ملتی۔ اگر ان کے بال بچے بیمار ہوتے ہیں تو بھی انہیں گھر واپس جانے کی اجازت نہیں ملتی۔

اس جدید سائنسی دور میں بھی ہنزہ کے غریب کسان غلامانہ معاشرے کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ فصل کی کٹائی کے وقت کسانوں کو مسلسل ڈیڑھ دو ماہ تک میر کی زمینوں پر بیگار کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ کسی مجبوری کے تحت نہیں آسکتے تو ان پر بھاری جرمانے کئے جاتے ہیں۔ کسانوں کو اپنے گھوڑے اور گدھے لے کر آنا پڑتا ہے۔ اگر وہ اپنی مفلسی کے باعث اپنا گدھا یا گھوڑا بیچ دیتے ہیں تو بھی ان سے جرمانہ وصول کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں وہ اپنی پیٹھوں پر اناج کے بورے لاد کر میر کے گوداموں تک پہنچاتے ہیں۔

چرواہوں کو بھی اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ باری باری میر کے گلّوں کی رکھوالی کریں۔ اگر کسی حادثے کے باعث کوئی مویشی کم ہو جاتا ہے تو ان غریب چرواہوں کے مویشی چھین لئے جاتے ہیں۔ اچھی چراگاہیں میر کے قبضے میں ہیں۔ اگر غریب چرواہوں کے مویشی ان کی حدود میں چلے جائیں تو ان بیچاروں کو بُری طرح پیٹا جاتا ہے۔

چپورسن کے غریب عوام میر آف ہنزہ کی غلامی میں ہیں۔ اگر اس کے مظالم کی تفصیل بیان کروں تو بڑے بڑے شہروں میں رہنے والے کانپ اٹھیں۔ ایک پتہ بھی میر کے حکم کے بغیر نہیں ہل سکتا۔ لوگ ظلم کے خلاف آواز اٹھانے سے ڈرتے ہیں۔ اگر وہ زبان ہلاتے ہیں تو انہیں سخت اذیتیں دی جاتی ہیں۔ اور پھر کسی کو جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے حقوق کے لئے آواز اٹھائے۔

اسکول اور ہسپتال کا نام و نشان تک نہیں ملتا، اسی لئے بیشتر لوگ ان پڑھ ہیں۔ چپورسن میں صرف ایک طالب علم ایسا ہے جو پشاور میں گیارھویں جماعت میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ وہ بھی اس لئے کہ یہ طالب علم میر کے رشتہ داروں میں ہے۔

میر عوام کا دکھ درد کیسے محسوس کر سکتا ہے۔ یہ تو وہ شخص ہے جس پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اس نے اپنے والد غضنفر خان کو خود اپنے ہاتھوں سے ہلاک کیا تھا۔ غضنفر خان بہت بوڑھا ہو چکا تھا، اور موجودہ حکمران میر جمال خان تخت پر بیٹھنے کے لئے بہت بے چین تھا۔ جب اسے غضنفر کی موت کا کوئی امکان نظر نہیں آیا تو اس نے اپنے پٹھوؤں کے ذریعے غضنفر خان کو ایک عمارت کی دوسری منزل پر قتل کروا کے اس کی لاش ایک گڑھے میں پھنکوا دی۔ سات دن تک لاش کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ سات دن کے بعد جب لاش گڑھے سے برآمد ہوئی تو میر جمال خان اپنی ماں کے سامنے مگرمچھ کے آنسو بہانے لگا۔

چپورسن میں کوئی سڑک نہیں ہے۔ لوگ پیدل سفر کرتے ہیں۔ جو امیر ہیں، وہ گھوڑوں اور ٹٹوؤں کا استعمال کرتے ہیں۔ ۶۶ء میں میر نے غریب عوام سے کہا کہ وہ یہاں سڑک بنانا چاہتا ہے، اس لئے وہ اپنے مویشی اس کے حوالے کر دیں، تاکہ اس کے لئے سرمایہ مل سکے۔ بیچارے غریبوں نے اپنے تمام مویشی اس کے حوالے کر دیئے۔ اگست ۶۶ء میں راستہ بنانے کا کام شروع ہوا۔ میر کے افسر گھوڑے پر بیٹھ کر کام کی "نگرانی" کرنے آتے۔ خاصے عرصے تک یہ کام جاری رہا لیکن یہ سڑک اب تک مکمل نہیں ہو سکی۔ سڑک پر کام کرنے والے مزدوروں کو ابھی تک ان کی اجرتیں نہیں ملیں۔ لیکن تمام پیسہ میر اور اس کے حواریوں کے پاس چلا گیا۔

گوجال کے عوام نہ جانے کب تک اس غلامی کو برداشت کرتے رہیں گے۔

اسلام آباد

علی آٹوز کے ملازمین کو طبّی امداد جیسی بنیادی سہولت بھی حاصل نہیں

عبدالرشید

جب سے یہ صنعت قومی تحویل میں لی گئی ہے، خاص کر اسلام آباد کے مزدوروں کو سخت مصائب کا سامنا ہے۔ طرح طرح کی الزام تراشی ہوتی ہے۔ مثلاً پیداوار کم کرنے کا الزام تو عام سی بات ہو چکی ہے۔ علی آٹو راولپنڈی کی نااہل انتظامیہ بے دریغ اخراجات کر کے مزدوروں کی محنت پر پانی پھیر رہی ہے۔ مزدوروں نے اس فرم کو دن رات محنت کر کے چار چاند لگائے۔ لیکن اس کا پھل اب بھی قومی ملکیت میں آنے کے بعد مالکان کے پہلے سے مراعات یافتہ افسرشاہی کھا رہی ہے۔ ہوتا تو یوں کہ سائٹ پر کام کرنے والے مزدوروں کو ریگولر کر لیا جاتا، اور قومی ملکیت میں لینے کے بعد ان کو بھی فائدہ پہنچتا۔ مگر اس کے برعکس مزدوروں کو بیل بکریوں کی طرح ہانکا جاتا ہے، اور ان کے حقوق سلب کر لئے جاتے ہیں۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ ابھی تک طبّی امداد جیسی بنیادی سہولت بھی میسّر نہیں۔ ملازمت کا کوئی تحفظ نہیں، اور نہ ہی کوئی دیگر مراعات دی جاتی ہیں۔

جب بھی ریگولر ہونے کا مسئلہ اٹھایا جاتا ہے، انتظامیہ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہہ کر ٹال دیتی ہے کہ تم سائٹ کے ورکرز ہو، لہٰذا تمہیں ریگولر نہیں کیا جا سکتا۔ ہماری زبان بند کر دی گئی ہے۔ نیز ہم پر لازمی سروسز ایکٹ کی پابندی لگا دی گئی ہے، حالانکہ اس کا کوئی جواز نہیں۔ اگر ہم پر علی آٹو کی انتظامیہ لازمی سروسز ایکٹ نافذ کرنا چاہتی ہے تو اس کو مزدوروں کے حقوق دینے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرنی چاہیئے۔ ہم کئی مرتبہ انتظامیہ کو صورت حال سے آگاہ کر چکے ہیں کہ اگر مزدوروں کو ریگولر نہ کیا گیا تو یہ مسئلہ

علی آٹو کا نہیں ہوگا بلکہ یہ ایک بین الصوبائی مسئلہ ہوگا۔ اور انتظامیہ کو اس کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہم علی آٹو کی نئی انتظامیہ کو اس کے وعدے یاد دلانا چاہتے ہیں کہ روٹی کپڑا مکان۔ روزگار کے وعدوں پر علی آٹوز کی نااہل انتظامیہ بے دریغ رقم خرچ کر رہی ہے۔ جس کا انتظامیہ کو مزدوروں کے سامنے جواب دینا ہوگا۔

علی آٹوز کی انتظامیہ کو اس خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیئے کہ اسلام آباد کے مزدوروں کو ملازمت سے علیحدہ کرکے سکھ کا سانس لے گی۔ وہ مزدوروں کو انتقامی کارروائی کا نشانہ بنانا چاہتی ہے، لیکن ؎

ایں خیال است محال است و جنوں

یہ بات بھی بتادینا فرض منصبی ہے کہ راولپنڈی علی آٹوز کی انتظامیہ اپنے غلط رویہ کو درست کرے، اور مزدوروں کے مسائل کی طرف فوراً توجہ دے۔ نیز یہ کہہ کر نہ ٹالا جائے کہ علی آٹوز کراچی کی انتظامیہ کو یہ حق پہنچ سکتا ہے کہ وہی ہم سے کام بھی لے۔ اور مزدور پھر یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ راولپنڈی کی نااہل انتظامیہ کو برطرف کردیا جائے۔

اب ہمارے اہم مسائل یہ ہیں کہ مزدوروں کو ریگولر کیا جائے اور لازمی سروسز ایکٹ کو ختم کیا جائے اور بیروزگاری کو ختم کرنے کے لئے متبادل ملازمتیں مہیا کی جائیں۔ انتظامیہ کے زیادہ اخراجات کو کم کیا جائے اور مزدوروں کے مسائل حل کرنے پر توجہ دی جائے۔ طے ہوئے کنٹریکٹ پر فوراً کام شروع کیا جائے۔ طبی سہولتیں فراہم کی جائیں، نااہل افسروں کو برطرف کیا جائے۔ اور مزدوروں کو انتظامیہ میں نمائندگی دی جائے۔

جیکب آباد

محنت کشوں کے "ہمدرد" ظلم کے نشان بن گئے

غلام حیدر

پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلی حکومت ہے جس نے مزدور کش پالیسی کو فخریہ طور پر اپنایا ہوا ہے۔ اب یہ حقیقت واضح ہوچکی ہے کہ موجودہ حکومت مزدوروں کے مسائل حل کرنے کے بجائے انہیں الجھا رہی ہے۔ محنت کشوں پر اتنا ظلم و تشدد کسی حکومت نے نہیں کیا۔ آج وہ فخریہ طور پر اعلان کرتے ہیں کہ ہم نے مزدوروں کو وہ کچھ دیا جو پہلے کسی حکومت نے نہیں دیا۔ لیکن آج پاکستان کا ہر مزدور ظلم و ستم کی نذر ہے۔ کراچی، لاہور، ملتان۔ داؤد خیل اور گڈو میں کیا کچھ نہیں ہوا۔ ہزاروں کی تعداد میں مزدوروں کو برطرف کیا گیا۔ سینکڑوں مزدوروں کو جیلوں میں ڈالا گیا۔ سنگینوں کے بل پر کام شروع کیا گیا۔ پولیس کے ذریعے انصاف کیا گیا۔ صرف چند سرمایہ داروں کی بقاء کے لئے ہزاروں مزدوروں کی خوشحالی پامال کی گئی۔ یہی دور ہے جس کا سب سے زیادہ فائدہ اجارہ داروں اور سرمایہ داروں کو ملا۔ گڈو تھرمل کے ایک ہزار ملازمین پر پاکستان ہی کیا دنیا کی تاریخ میں انوکھا ظلم ہوا۔ الباریو کنسٹرکشن نے صوبہ سندھ کی انتظامیہ کے تعاون سے ایک ہزار مزدوروں کے مفاد کو کچلا۔ پُرامن مزدوروں پر ظالمانہ طور پر ظلم و تشدد ہوا۔ انہیں زدوکوب کیا گیا۔ باشعور و باہمت محنت کشوں کو جیلوں میں ڈالا گیا۔ ان پر الزام تھا کہ وہ کام نہیں کرنے دیتے، وہ انتشار پسند ہیں، وہ غدار ہیں۔ مگر یہ سرمایہ دار کی آواز تھی، جسے حکمران ٹولہ نے صحیفۂ آسمانی سمجھ کر دہرائی گڈو تھرمل کے محنت کش شروع سے ہی پُرامن ہیں۔ انہوں نے غصب شدہ حقوق کے لئے ہڑتال تک نہ کی۔ مگر وہ متحد اور منظم تھے۔ الباریو کنسٹرکشن کی مزدور دشمن انتظامیہ اور بدعنوان و رشوت خور افسران حکومت نے جب یہ دیکھا کہ گڈو کے مزدور متحد ہوچکے ہیں تو انہوں نے سازش کی۔ جبری طور پر لاک آؤٹ کردیا۔ لاک آؤٹ کے دوران ۲۲ اگست ۷۲ء کو کالونی کو گھیرے میں لے کر تمام مزدوروں کو چار ہزار پولیس فورس کے زور پر گرفتار کیا گیا۔ یہ کام عبدالستار گبول اور میر اعجاز علی تالپور کی نگرانی میں ہوا، جو اس وقت گڈو میں تشریف فرما تھے۔ انہیں کے سامنے مزدور لیڈروں کو زدوکوب کیا گیا۔ باشعور مزدوروں کو چن چن کر مارا گیا۔ چار سو سے زائد بے گناہ مزدوروں کو پابندِ سلاسل کیا گیا۔ باقی ماندہ کو جبری طور پر پولیس فورس کے ذریعے علاقہ آؤٹ کیا گیا۔ یہی ان کا "انصاف" تھا۔ محنت کشوں کے ان "ہمدردوں" نے وہ کام سرانجام دیئے جو آمریت کے نمائندے بھی کرتے ہوئے شرم محسوس کرتے تھے۔ ہزاروں مزدوروں کو ظلم کی آگ میں ڈال کر صنعتی امن بحال کرنیوالوں سے اپیل ہے کہ وہ اپنے رویہ پر نظر ڈالیں، انہوں نے کیا کیا۔ مساوات کے علمبردار آمریت و چنگیزی کی داستانیں دہرا رہے ہیں۔ انصاف کریں۔ عوام نے انہیں اس لئے ووٹ نہیں دیئے تھے کہ انہیں خوشحالی کی بجائے تباہی کی جانب دھکیلا جائے۔ اب بہت ہوچکا ہے، ظلم ختم ہونا چاہیئے۔ ورنہ اس کے خاتمے کے لئے مزدور تیار ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایوب کو ہٹایا گیا، یحییٰ سے ٹکر لی گئی۔ ہم ہی اس ملک کے معمار ہیں۔ ہم نے ہی اس ملک کو درخشاں کرنا ہے۔ ہم محب وطن ہیں، دشمن ہیں تو استحصال پسندوں کے، مفاد پرستوں کے۔ اجارہ داروں، اور غاصبوں کے۔ ہم نے ظالموں کو ختم کرنا ہے۔ ظلم کو ختم کرنا ہے۔ اب ہم سے محرومیاں نہیں دیکھی جاتیں۔ ہم سے اپنے اہل و عیال کی فاقہ کشی نہیں دیکھی جاتی۔ ہماری جدوجہد جاری ہے۔ اور اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ محنت کشوں کے حقوق بحال نہیں ہوجاتے۔ ان کو صحیح مقام نہیں مل جاتا۔ ہم خون سے اس ظلمت کو فنا کردیں گے۔ جس نے ہمارے گھرانوں کی امیدوں کو پامال کیا۔

کنری

ہاریوں کو برہنہ کرکے چھت سے الٹا لٹکا دیا جاتا ہے

غازی مختار

۱۴ فروری کو ڈاکٹر غلام محمد شاہانی کی دعوت پر ہم صبح ہی صبح کنری سے عمرکوٹ جانے والی بس میں سوار ہوکر ۱۱ میل کا سفر ڈیڑھ گھنٹہ میں مکمل کرکے جب جانہرو کے بس اسٹاپ پر اترے تو صبح کے ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ دو میل کا پسلیاں توڑ سفر بیل گاڑی پر کرکے ہم جلسہ گاہ پہنچے تو ظلم کی چکی میں پسے ہوئے ہاریوں اور زرعی مزدوروں کے چہرے دکھائی دیئے جن کے چہروں کو آلام زمانہ کی جھریوں نے ڈھانپ کر مسخ کردیا تھا۔ سرد ہواؤں سے بچنے کیلئے ان کے بدن پر پورے کپڑے بھی نہ تھے۔ یہ سب مفلس و غریب اپنے حقوق کی جدوجہد کے لئے یہاں جمع ہوئے تھے۔ اور یہ ڈاکٹر غلام محمد شاہانی کی ہی ہستی ہے جس نے گاؤں گاؤں جاکر ہاریوں کے حقوق کی جدوجہد کی اور ہاریوں کے اتحاد میں مصروف ہیں۔ یہ اجلاس بھی ان کی ہی کوششوں سے بلایا گیا تھا اور عوام کے بےباک ترجمان الفتح کے کارکن کا بھی اس اجلاس میں ہونا ضروری تھا اس لئے ڈاکٹر صاحب نے مجھے اجلاس میں شرکت کے لئے

طلب کیا تھا۔

صدیوں سے زمینداروں کی غلامی میں جکڑے ہوئے نارے کے یہ غریب ہاری حکومت کی نافذ کردہ زرعی اصلاحات سے محروم اب بھی وقت کے فرعون کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ یہاں ہمیں ایک غریب ہاری سے معلوم ہوا کہ اس کے زمیندار نے ۱۸ بورے کپاس کی سلائی کے لئے استعمال ہونے والی ستلی کی قیمت ۱۲۰ روپے اس غریب سے کاٹی ہے جب کہ اگر نئے ۱۸ بورے خریدے جائیں تو وہ بھی ۱۲۰ روپے سے کم میں مل جائیں۔

ایک اور ہاری نے بتایا کہ اس کے زمیندار نے زرعی اصلاحات کے مارشل لا ریگولیشن ۱۱۵ کے فقرہ (B) ۲۵ کے باوجود ان سے بیج لے لیا ہے۔ بلکہ مرچوں کی فصل کے دوران کھلیان میں جلنے والی لالٹین کے تیل کے دس روپے فی ہاری لئے اور ٹارچ میں استعمال ہونے والے سیل بھی ان مسکینوں کے سر تھوپ دیئے۔

ایک ہاری نے بتایا کہ اس کا زمیندار اس کا حق نہیں دے رہا۔ ایک دفعہ اسے ۲۳۰/- روپے کا ایک چیک دیا گیا مگر بینک کو چیک کیش نہ کرنے کی ہدایت کر دی اسلئے بینک نے چیک واپس کر دیا مگر زمیندار نے اس کے حساب میں ۲۳۰/- روپے کی ادائیگی دکھا دی۔ اس غریب ہاری نے اپنے حقوق کے حصول کے لئے عمر کوٹ ٹریبونل میں درخواست دے رکھی ہے مگر کئی ماہ گذر لے نے باوجود مختیار کار عمر کوٹ اس ہاری کے لئے کچھ نہیں کر رہا۔ جب کہ قانون کے تحت مختیار کار کو چند دنوں تک اس مظلوم کا حق دلوانا ہے۔

یہاں موجود ہر ہاری نے بتایا کہ ان کے زمیندار ان سے بلکہ افراد خانہ تک سے بیگار لیتے رہتے ہیں اور اس طرح ہر ہاری اپنے خاندان سمیت زمینداروں کے غلام کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں حالانکہ ریگولیشن ۱۱۵-۱۹۷۲ء کے فقرہ ۲۵ (۴) کے تحت زمیندار کسی ہاری سے کسی صورت میں بیگار لینے کا حق نہیں رکھتا۔

ہاریوں نے یہ بھی بتایا کہ جب سے حکومت نے زرعی اصلاحات کا اعلان کیا ہے ان پر ہونے والے ظلم میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے۔ اگر زمینداروں کے ظلم کے خلاف آواز اٹھائی جائے تو زمیندار ہاریوں کو برہنہ کر کے چھت سے لٹکا کر بید سے پیٹنے تک سے دریغ نہیں نہیں کرتے اور کہا جاتا ہے جاؤ اپنے باپ بھٹو سے فریاد کرو وہ تمہیں آ کر بچائے۔ اس کے علاوہ ہاریوں پر جھوٹے مقدمے دائر کر کے انہیں کسی نہ کسی ناکردہ جرم میں جیل بھجوا دیا جاتا ہے اور اس طرح ہاری کا سارا خاندان زمیندار کے عذاب کی لپیٹ میں آ کر فاقوں مرتا ہے۔ اور دوسرے ہاری اس کا حشر دیکھ کر دم سادھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

گیارہ بجے تک ضلع بھر کے چیدہ چیدہ ہاری لیڈر پہنچ گئے۔ ہاریوں اور لیڈروں نے آپس میں تبادلۂ خیال کیا اور ہاریوں کے خلاف ہونے والے ظلم سے نجات پانے کے لئے لائحہ عمل ترتیب دیا گیا۔ مختلف لیڈروں نے اجلاس سے خطاب کیا اور ہاریوں کو اپنے حقوق کی جدوجہد کے لئے متحد ہو جانے کی تلقین کی جس کے جواب میں ہاریوں نے اپنے اتحاد اور جدوجہد میں شریک ہونے کا اقرار کیا۔ ضلع کے مشہور ہاری لیڈر جناب میر محمد جونیجو نے ہاریوں کو یقین دلایا کہ وہ حکومت کو آپ کے حقوق دلوانے ہوں گے اور انشاءاللہ ماہ مارچ میں فصل کی بٹائی زمیندار نہیں بلکہ ہاری خود کریں گے۔

اجلاس میں مندرجہ ذیل قراردادیں منظور کر کے صدر بھٹو اور بالا حکام کو بھیجی گئیں۔

(۱) زمیندار ہاریوں سے جبراً بیج لے رہا ہے۔ وہ بند کیا جائے۔

(۲) زمیندار ہاریوں سے جبراً بیگار لیتے ہیں۔ وہ بند کی جائے۔

(۳) مختیار کار عمر کوٹ ہاریوں کے حقوق دلوانے کی کوشش کرنے کے بجائے الٹا ہاریوں کے ساتھ ہتک آمیز برتاؤ کرتا ہے اس لئے حکومت سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ مختیار کار عمر کوٹ کے خلاف فوری کارروائی کرے تاکہ وہ اپنا ظالمانہ رویہ بند کرے اور ہاریوں کے فیصلے جو مہینوں سے اس کے پاس پڑے ہیں جلد کرے۔

(۴) عمر کوٹ سے کنری تک پختہ سڑک بنائی جائے تاکہ زرعی اجناس وقت پر منڈیوں تک پہنچائی جا سکیں۔

(۵) مہردوں کی ظالمانہ وارا بندی ختم کی جائے۔

کوٹری

پیمنٹ آف ویجز ایکٹ کی خلاف ورزی

نمائندہ الفتح

کوٹری یونائیٹڈ وُوورکس اینڈ پلانٹ انڈسٹریز کی ورکرز یونین کے جنرل سیکرٹری شاکر حسین نے ایک اخباری بیان میں منتظمین فیکٹری کے مزدور دشمن رویہ کی پرزور مذمت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ فیکٹری قائم ہوئے تین سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے لیکن اب تک منتظمین نے نہ تو تنخواہوں پر نظرثانی کی ہے اور نہ ہی بونس دیا ہے۔ مزدور قوانین کے تحت چھٹیاں اور دیگر مراعات نہیں دے رہے ہیں۔ جنرل سیکرٹری نے مزید بتایا کہ مزدوروں کو تنگ کرنے کے لئے مالکان تنخواہ کی ادائیگی مقررہ تاریخ پر کرنے کی بجائے ۲۰ یا ۲۵ دن کے بعد ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ تنخواہ میں تاخیر پیمنٹ آف ویجز بورڈ ایکٹ کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

محکمۂ لیبر اور شہری انتظامیہ کو اس امر سے مطلع کیا گیا لیکن وہ مالکان کا چالان نہیں کر سکے جبکہ اگر مزدوروں سے اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو ان کی گرفتاری اور مقدمہ قائم کرنے میں دیر نہیں کی جاتی۔ مسٹر شاکر حسین نے بتایا کہ گزشتہ آٹھ ماہ سے یونین مستقلاً کوشش کر رہی ہے کہ منتظمین یونین کے ساتھ بات چیت کر کے مسائل کا تصفیہ کریں۔ لیکن منتظمین بات چیت کرنے کو قطعاً تیار نہیں ہیں۔ بلکہ دھمکی دی ہے کہ فیکٹری بند کر کے مزدوروں کو بے روزگار کر دیں گے۔ منتظمین کے اس رویے سے مزدوروں کی بے چینی میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ شاکر حسین نے مطالبہ کیا ہے، کہ مزدوروں کی حق تلفی بند کی جائے۔

ھری پور

کسانوں کو نذرانہ دینا پڑتا ہے

علی داد

پاکستان کے کسان کس کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں، اس کی ایک جھلک ضلع ہزارہ کے مزارعین کے حالات سے ملتی ہے، جو فصل کا ۲/۳ حصہ خوانین کو دینے کے علاوہ نقدی، دودھ گھی، مکھن، مرغی، انڈے اور لکڑیوں کی شکل میں بھی لگان ادا کرتے ہیں۔ کسی خان کے ہاں بیاہ شادی، منگنی، ختنہ، پیدائش اور موت ہو تب بھی مزارعین کو اسی قسم کا لگان ادا کرنا پڑتا ہے۔ ضلع ہزارہ کے سادہ لوح کاشت کاروں کی ناخواندگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خوانین نے ان کی زمینیں اپنے نام منتقل کرالیں۔ جس کا انکشاف ملکیت کے کاغذات حال میں تمام کارروائی مکمل ہونے کے بعد کیا گیا۔ خوانین اور نوابوں کے پاس جو جاگیریں ہیں، وہ مسلمانوں سے غداری اور انگریز سرکار کی وفاداری کے صلہ میں دی گئی تھیں۔ ستم بالائے ستم کہ ہل، بیل اور بیج کھاد اور کاشت کے دیگر لوازمات مزارعین مہیا کرتے ہیں جبکہ فصل کی پیداوار پر نوابوں اور خوانین کا تصرف ہوتا ہے۔

ساون نبڈہ کے نام سے ہر مزارع سے دس سے بیس سیر تک گھی جبراً وصول کیا جاتا ہے۔ ہر مزارع کو ایک سے لے کر پانچ مرغ ششماہی لازمی دینے پڑتے ہیں۔ عدم ادائیگی کی صورت میں جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور بعض علاقوں میں ایک سو سے پانچ سو روپے تک سالانہ کلنگ وصول کیا جاتا ہے۔ اس دردناک صورت کا پہلو یہ بھی ہے کہ خوانین اور نوابوں کو موسمی حالات یا دیگر اسباب کی بناء پر پیداوار کے کم ہونے سے کوئی غرض نہیں۔ بے چارہ کسان جئے یا مرے، لیکن اسے مذکورہ بالا لگان لازمی طور پر ادا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے دیہاتوں میں غریب کسانوں سے بیگار کی شکل میں جو خدمات لی جاتی ہیں ان کا تصور بھی انسان کو لرزہ براندام کر دیتا ہے۔ غلامی اور ظلم کے خلاف احتجاج کرنے والوں کو عبرت ناک سزائیں دی جاتی ہیں۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ کسانوں کو ظلم و ستم سے نجات دلائے۔

ٹنڈو الہ یار

مہران شوگر ملز کے مزدور ۸ فروری سے ہڑتال کریں گے

نمائندہ الفتح

صوبہ پنجاب کے پس ماندہ ترین ضلع ڈیرہ غازی خان کی تحصیل جام پور کے سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور بااثر افراد نے غریب مزارعین کسانوں اور کاشت کاروں پر جو ظلم وستم ڈھائے ہیں ان کی فہرست بہت ہی طویل اور صبر آزما ہے۔ تاحال بھی غریب عوام کے خلاف مسلسل اور ناجائز کارروائیوں کی وجہ سے محنت اور سرمایہ میں جو رسہ کشی ہو رہی ہے وہ ضلع ڈیرہ غازی خاں کے مستقبل کیلئے انتہائی نقصان دہ اور افسوس ناک انجام کی نشاندہی کر رہی ہے۔ اگرچہ یہ زیادتیاں سابقہ حکومتوں میں بھی روا رکھی گئیں۔ مگر موجودہ حکومت کے دور میں ان کارروائیوں اور زیادتیوں میں اضافہ ہو گیا ہے اور جاگیرداروں نے اپنے بے شمار مزارعین کو بیدخل کرا دیا۔ اور حکم عدولی کی صورت میں حکومت کی طرف سے تحفظ کے تمام تر قوانین کی صریحاً خلاف ورزی کر کے کسانوں کو کچلنے کی سازش کی کوشش کی گئی چنانچہ اس سلسلے میں دیگر بے شمار انتقامی کارروائیوں میں علاقہ موضع اسلام پور کے سابق نمبردار اور لبتہ الف کے سابقہ بدمعاش ملک نور دین بھانٹری کی انتقامی کارروائیاں اور چیرہ دستیاں ناقابلِ فراموش ہیں۔

عوام نے ظالم جاگیردار نور دین بھانٹری کے استحصالی حربوں ناپاک ارادوں اور ظالمانہ قوانین کے خلاف آواز بلند کی۔ یہاں کے غریب مزارع اور پیپلز پارٹی کے رکن ملک الٰہ بخش نے یہاں کے غریب عوام کو ان کا بنیادی حق دلانے اور انہیں انسان ہونے کے بارے میں احساس دلانے کی کوشش کی اور مذکورہ زمیندار کو بھی مظلوم عوام سے محبت اور بھائی چارے جیسا برتاؤ کرنے کی اپیل کی جس کے جواب میں نور دین نے اللہ بخش کو کئی جھوٹے، غلط اور بے بنیاد مقدمات میں ملوث کرنے کی کوشش کی۔

ضلع ہذا کا ہر دیہاتی سرمایہ داری اور جاگیرداری کے فرسودہ نظام اور ان کے ایجنٹوں کی غنڈہ گردی سے نالاں ہے۔ کیونکہ جاگیرداروں کے اکثر ایجنٹ نمبردار ہیں جنہوں نے دیہاتی زندگی کو خوشگوار اور پاکیزہ بنانے کی بجائے رشوت، دلالی، رسہ گیری اور سماج دشمن عناصر کی پشت پناہی کا ٹھیکہ لے کر ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ ترقی کے اس دور میں صرف آبیانہ و مالیہ وصول کرنے کے لئے نمبرداری نظام کو جاری رکھنے کا کیا جواز ہے جب کہ ٹیکس تحصیل کا چپراسی یا بجلی کے بلوں کی طرز پر آسانی وصول کیا جاسکتا ہے اور یہ سب سے بہتر طریقہ ہے۔ اگرچہ انگریزوں نے اپنے مفادات کو تحفظ دینے کے لئے سفید پوشی ذیلداری اور نمبرداری کے عہدے قائم کر رکھے تھے اور ان عہدوں پر صرف ان لوگوں کو مقرر کیا تھا جو ان کے وفادار تھے اور ان کے مفادات کا تحفظ کرتے تھے۔ مگر قیام پاکستان کے بعد سفید پوشی اور ذیلداری وغیرہ تو ختم کر دی گئی۔ لیکن اس نظام کی اصل جڑ نمبرداری کو خدا جانے کس مصلحت کے تحت رکھا گیا۔ جب کہ اس از خود غلط نظام نمبرداری کو موروثی قرار دے کر اور بھی الجھنیں پیدا کر دی گئیں۔ بعض نمبرداروں نے اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے سربراہ نمبردار بنا رکھے ہیں اور یہ لوگ ایسے ہیں جن کے پاس معاشرے میں نمبرداری کے اعزاز کے سوا کوئی رتبہ وعزت نہیں۔ لیکن وہ محکمہ مال کی خصوصی نظر عنایت سے اپنی سماج دشمن سرگرمیوں پر نمبرداری کی ڈھال سے غریب کسانوں کی زندگیاں اجیرن بنا دیتے ہیں۔ اپنے پالتو اور کرائے کے غنڈوں سے ان کے گھریلو سامان، مکانوں اور دوکانوں تک کا صفایا کرا دیا جاتا ہے۔ لاکھوں کسانوں کا مطالبہ ہے کہ نمبرداری کے فرسودہ نظام کو فی الفور ختم کیا جائے اور موضع اسلام پور کو نور دین بھانٹری کے مظالم سے بھی غریب کسانوں کو نجات دلائی جائے۔

شہر میں صفائی اور سٹریٹ لائٹ کا فقدان ہے۔ گندے پانی کی نالیوں سے بدبو بازار سے گزرنے نہیں دیتی۔ اضافی بستیوں میں آمد ورفت کے راستے گندے پانی کی وجہ سے بند ہیں۔ ان بستیوں میں آج تک پختہ نالیاں تعمیر نہیں کی گئیں۔ اور نہ ہی کسی ڈھنگ سے ان کی تعمیر ہوتی ہے۔ سٹریٹ لائٹ کو شہری ترس رہے ہیں۔ مقامی اوورسیئر کی نااہلی، سستی اور فرض فراموشی کی وجہ سے اکثر افراد نے کمیٹی کی اراضی پر ناجائز تجاوزات تعمیر کر لی ہیں جنہیں اوورسیئر مذکور نے "سب اچھا" قرار دیدیا ہے۔ بلدیہ نے یہاں پر ایڈمنسٹریٹر کی رہائش کے لئے اٹھارہ ہزار روپے لاگت سے کوارٹر تعمیر کرائے۔ جن کی چھتیں تعمیر کے فوراً بعد معمولی سی بارش سے گر پڑیں اور ملبہ اٹھانے، سفیدی کرنے سے قبل ہی زیرِ تعمیر ہزاروں روپے کے کوارٹر ملبہ کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئے۔

اسی طرح اڈہ لاریاں جو دس ہزار روپے کی لاگت سے آج سے ایک سال قبل تعمیر ہوا تھا۔ اب وہ اڈہ لاریاں کم اور بیت الخلاء زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ یہاں پر بیت الخلاء کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اور نہ ہی مستورات کے لئے انتظار کرنے کے لئے مناسب انتظام، پرانے ذبح خانے کی عمارت کے چند کمروں پر لیپا پوتی اور سفیدی کر کے اُسے نیا اڈہ لاریاں بنا دیا گیا ہے۔ ایک آدھ نئے تعمیر شدہ کمروں میں بھی میٹیریل انتہائی ناقص استعمال کیا گیا ہے فرش بندی کا نصف سے زیادہ کام ایک سال گزرنے کے باوجود پایۂ تکمیل تک نہ پہنچنے والے نامکمل اڈہ لاریاں کی تعمیر میں مبینہ دھاندلیوں بدعنوانیوں اور لوٹ کھسوٹ کے واقعات کی تحقیقات کا مطالبہ کرتے ہوئے عوامی حلقوں نے ایسے افراد کے خلاف کارروائی کا بھی مطالبہ کیا۔ جنہوں نے اڈہ کی تعمیر کا ٹھیکہ اپنے نام لیا تھا۔

دیہی علاقوں میں ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے جائیداد پر خود تشخیص کردہ پروفیشنل ٹیکس عائد کیا جاتا ہے اور یہ ٹیکس کسی ذمہ دار افسر کی بجائے ڈسٹرکٹ بورڈ کا چپراسی اپنی صوابدید کے مطابق لگا دیتا ہے۔ اور تقریباً ۵۰ فی صد افراد سے رشوت وصول کر کے انہیں اس ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دے دیا جاتا ہے۔ ۵۰ فیصد غریب عوام جن کے پاس ان کی توندیں بھرنے کو کچھ نہیں ہوتا۔ ان پر معمولی سی دوکان کا بھی دو سے پانچ سو تک پروفیشنل ٹیکس عائد کر دیا جاتا ہے۔ جس کی اپیل کی سماعت کا حق ڈسٹرکٹ بورڈ کے انسپکٹر کو ہوتا ہے۔ اور انسپکٹر عام طور پر اپنے ماتحت عملہ یعنی چپراسیوں کی رائے کو مقدم سمجھ کر اپیل یا مسترد کر دیتا ہے یا پھر ٹیکس میں برائے نام تخفیف کر دی جاتی ہے۔ یہی حال چولہا ٹیکس کا ہے۔ دیہی حلقوں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے۔ کہ اوّل تو یہ دونوں ٹیکس جو کہ غریب عوام پر بوجھ ہیں معاف کر دیئے جائیں۔ بصورتِ دیگر کسی ذمہ دار افسر کو اس ٹیکس کی تشخیص کا اختیار دیا جائے۔ اور اپیل کی سماعت کا اختیار صرف ڈپٹی کمشنر کو دیا جائے۔

جام پور

بلدیہ کے کوارٹر تعمیر سے پہلے ہی ملبہ کا ڈھیر بن گئے

رب نواز

مہران شوگر ملز لیبر یونین کے جنرل سیکرٹری سید اجمل حسین شاہ نے ایک پریس کانفرنس میں ملز کی انتظامیہ پر الزام لگایا ہے کہ یونین کے ارکان اور عہدے داروں کو مسلسل دھمکیاں دی جا رہی ہیں اور یونین نے اپنے مطالبات کے سلسلے میں جو یادداشت پیش کی تھی اُسے ملز انتظامیہ نے نظر انداز کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یونین تمام مسائل باہمی گفت وشنید اور پرامن ذرائع سے حل کرنا چاہتی ہے۔ لیکن ملز انتظامیہ یونین کے تعاون کی پیش کش کو ٹھکرا کر مزدوروں میں مسلسل خوف وہراس پیدا کرنے کی کوششوں میں مصروف

باقی صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں

نیپ کی حکومت نے مزدوروں کا راشن بند کردیا

فتح من اللہ (پشاور)

اس "عوامی دور" میں مزدوروں پر اتنے مظالم کیوں ہو رہے ہیں۔ اور خصوصاً صوبہ سرحد کے مزدوروں سے صوبائی حکومت بیگانوں جیسا سلوک کیوں کر رہی ہے۔ یہ ایک سوال ہے، جو صوبہ بھر کے مزدوروں کی زبان پر ہر وقت سنا جا سکتا ہے۔ صوبہ سرحد کے مزدوروں پر موجودہ صوبائی حکومت کے قیام کے بعد جو مظالم صنعت کاروں نے کئے ہیں۔ ان کی مثال ۲۵ سالوں میں کہیں بھی نہیں ملے گی۔ حالانکہ دعویٰ یہ ہو رہا ہے کہ موجودہ حکومت عوامی حکومت ہے۔ اور پاکستان کے باشندوں کے حقوق کا تحفظ کر رہی ہے۔ مرکزی حکومت صوبائی خود مختاری کا بہانہ تراش کر مزدوروں کے معاملات کی تمام تر ذمہ داری صوبائی حکومت پر ڈال رہی ہے۔ اور صوبہ سرحد کا مزدور اس کش مکش میں پس رہا ہے۔ آیئے آج ہم اس بات کا تجزیہ کریں کہ "عوامی حکومت" جب سے برسرِ اقتدار آئی ہے، اس نے مزدوروں کے لئے کیا کچھ کیا، اور وہ کون سے فوائد ہیں، جو اس حکومت نے مزدوروں کو پہنچائے۔

پاکستان پیپلز پارٹی اور نیشنل عوامی پارٹی کے منشوروں کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں پارٹیاں پاکستان میں ایک ایسا نظام لانا چاہتی ہیں، جس میں انصاف اور عدل ہو، اور سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ ہو۔ ان پارٹیوں کے رہنما اس سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ عوام، مزدور، کسان اور طلبہ نے انہیں صرف اس منشور کی وجہ سے ووٹ دیئے تھے۔ اور آج اگر برسرِ اقتدار ہیں تو صرف مزدوروں۔ کسانوں اور طلبہ کی حمایت کی وجہ سے ہیں۔ لیکن برسرِ اقتدار آنے کے بعد جس انداز سے ان پارٹیوں نے اپنے منشوروں سے پہلوتہی کی، اور سرمایہ دارانہ نظام کی سرپرستی کی۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ ان پارٹیوں نے مزدوروں، کسانوں اور طلبہ کو محض دھوکہ دیا تھا۔ مرکزی حکومت نے چند نام نہاد اصلاحات کیں۔ لیکن نیشنل عوامی پارٹی نے صوبہ سرحد میں جس انداز سے مزدوروں کسانوں اور طلباء کی تحریک کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ نیشنل عوامی پارٹی خالص سرمایہ داروں کی جماعت ہے اور اس کا کام صرف اور صرف سرمایہ داروں کا تحفظ کرنا ہے۔

نیشنل عوامی پارٹی جب سے برسرِ اقتدار آئی ہے اس نے ——— کسانوں کی تحریک کو کچلنے کے لئے وہ کونسا حربہ ہے جو استعمال نہیں کیا۔ مالاکنڈ ڈویژن میں کسانوں پر گولیاں چلائیں۔ ان کے گھروں کو جلوا دیا۔ اور کسانوں کو جیلوں میں بند کیا گیا۔ پھر طلباء کی تحریک کو کچلنے کے لئے میدان میں آئی۔ طلبہ پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ طلبہ کو قید کیا گیا۔ اور جہانزیب کالج کے طالب علم لیڈروں کو ایف۔سی۔آر کے تحت سزائیں دی گئیں۔ پشاور کے طلباء کو جیلوں میں بند کیا گیا۔

اب تیسرے نمبر پر مزدور تحریک کو ختم کرنے کا بیڑا بھی نیشنل عوامی پارٹی نے اٹھایا ہے۔ حالانکہ مذکورہ پارٹی کا دعویٰ یہ ہے کہ کراچی کے مزدوروں میں اس پارٹی کی ساکھ بہت اچھی ہے۔ اور یہ پارٹی مزدوروں کو ان کے حقوق دلوانا چاہتی ہے۔ گورنمنٹ ٹرانسپورٹ سروس کے ملازمین کی ہڑتال میں صوبائی حکومت نے جس سرد مہری کا ثبوت دیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ہڑتال کے دوران مزدوروں پر راشن تک کی سپلائی بند کر دی گئی۔ کوہاٹ ٹیکسٹائل کے مزدوروں کی ہڑتال میں صوبائی حکومت خاموش تماشائی بنی رہی۔ ایف۔پی ٹیکسٹائل ملز کے مزدوروں نے ۳۶ یوم قانونی ہڑتال کی اور صوبائی حکومت بالکل خاموش رہی۔ اور وہ مزدور آج تک جدوجہد کر رہے ہیں۔ کالونی سرحد ٹیکسٹائل ملز کے مزدوروں پر کون سا ظلم تھا جو صنعتکار نے نہ کیا ہو، لیکن آج تک صوبائی حکومت بالکل خاموش ہے۔ خیبر ٹیکسٹائل ملز بالڈھیر سے جس کا مالک سابق صدر ایوب خان کا بھائی سردار بہادر خان اور موجودہ صوبائی اسمبلی کے ممبر اقبال جدون ہیں، نے یونین سازی کے جرم میں ۔۔ ۴ مزدوروں کو ملازمت سے برطرف کر دیا۔ لیکن صوبائی حکومت بالکل خاموش رہی۔

سوات کی سلک انڈسٹری میں کام کرنے والے مزدوروں کو تمام مراعات سے محروم رکھنے کے باوجود صنعت کاروں نے تالہ بندیاں کیں، اور لیبر کورٹ نے فیصلے بھی دیئے۔ لیکن وزیرِ اعلیٰ صوبہ سرحد کے احکامات کے تحت سرمایہ داروں کو تحفظ دیا گیا۔ سوات کے مزدوروں پر ایف۔سی۔آر جیسے قانون کا استعمال کیا گیا۔ اور تقریباً ۔۔۔ ۲ ہزار مزدوروں کو صنعت کاروں نے بے کار کر دیئے۔ لیکن صوبائی حکومت پھر بھی خاموش رہی۔ یہ حکومت انہی کوشش میں رہی ہے کہ کسی طریقے سے صوبہ سرحد کے مزدوروں میں انتشار پھیلایا جائے، اور مزدوروں کے اتحاد کو ختم کیا جائے۔ صوبہ سرحد کے برسرِ اقتدار طبقہ نے اپنے منشور کو بھول کر سرمایہ داروں کو یہی باور کرایا، کہ وہ ہر طرح سے ان کے ساتھ ہے۔ اور آج سرمایہ داروں کا یہ عالم ہے کہ وہ عدالتوں کے فیصلوں کو بھی نہیں مانتے۔ اور مزدوروں پر بلا روک ٹوک ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں۔ صوبہ سرحد کا مزدور جب مرکزی حکومت سے شکایت کرتا ہے، تو مرکزی حکومت صوبائی معاملات میں عدم مداخلت کا بہانہ تراشتی ہے۔ حالانکہ مرکزی حکومت صوبہ سندھ اور صوبہ پنجاب میں اپنی نافذ کردہ اصلاحات باقاعدہ طور پر نافذ کر رہی ہے۔ پھر صوبہ سرحد اور بلوچستان میں ایسا کرنے سے کیوں گریز کر رہی ہے۔ سرمایہ داروں کے مظالم اور صوبائی حکومت کی لاپرواہی سے صوبہ بھر کے مزدوروں میں سخت بے چینی پھیل چکی ہے۔ اور ہر طرف ہڑتالوں کا تانا بانا بندھا ہوا ہے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے کوئی باک نہیں کہ صوبہ سرحد کی مزدور قیادت آج تک محض اعلانات تک محدود رہی ہے۔ اور ان مظالم کو ختم کرنے کے لئے صوبہ سرحد کے مزدور لیڈروں نے کوئی اہم اقدام نہیں کیا جس کی وجہ سے مزدوروں کا اعتماد ان لیڈروں سے آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ اور ایک نئی قیادت ابھر رہی ہے۔ صوبہ بھر کے مزدور لیڈروں کے لئے مزدوروں کی بے چینی اور صوبائی حکومت کی لاپرواہی ایک کھلا چیلنج ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صوبہ بھر کے مزدور متحد ہیں۔ اور ان کے اتحاد کو ختم کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ لیکن صوبہ سرحد کی مزدور قیادت نہ جانے کیوں خاموش ہے۔ انہیں چاہیئے کہ مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے لئے ہر اس طاقت سے ٹکرا جائیں، جو مزدوروں کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔ اگر انہوں نے اپنے اس فرض کو دیانتداری سے نہ نبھایا تو آنے والا وقت انہیں کبھی معاف نہیں کریگا۔ صوبائی حکومت کے برسرِ اقتدار افراد کو اپنی اس مزدور دشمن پالیسی پر نظرِ ثانی کرنی چاہیئے۔ اگر صوبائی حکومت کی یہی خواہش ہے، کہ صوبہ سرحد میں صنعتی امن قائم رہے اور مزید صنعتیں لگیں، تو یہ ضروری ہے کہ وہ سرمایہ داروں اور مزدوروں سے مساوی سلوک کرے۔ اس طریقے سے صوبہ سرحد میں برسرِ اقتدار طبقہ کی مقبولیت جس تیزی سے ختم ہو رہی ہے، وہ نہ ہو گی۔

صوبہ سرحد کے مزدوروں نے ان حالات کے پیشِ نظر ہی جائنٹ لیبر کونسل کا قیام عمل میں لانے کے لئے بھرپور جدوجہد کی ہے۔ جس میں تمام صوبے کی نمائندہ اور فعال تنظیمیں شامل ہو چکی ہیں۔

پاکستان کو بٹروں کی سیاست میں ملوث نہیں ہونا چاہیئے

صفحہ ۶ سے آگے

اجتماعی سلامتی کے نظام" کا تصور پیش کیا۔ اس منصوبے پر "ماسکو نے ڈلس سے رجوع کیا ہے" کے عنوان سے تبصرہ کرتے ہوئے امریکہ کے اخبار "انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون" نے ۲۳ر جون ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں لکھا،

"ایشیائی اجتماعی سلامتی کا نظام جان فاسٹر ڈلس کا نعرہ ہے۔ پرانے امریکی منصوبہ حصار کی بازگشت ہے۔ ڈلس کی موت کے دس سال بعد "ایشیائی حصار کا تصور جس پر اس نے اپنے آخری برسوں کا بیشتر وقت اور محنت صرف کی تھی، ماسکو میں زندہ ہو گیا ہے۔"

اخبار نے مزید لکھا کہ "ایشیائی سلامتی کے نظام کی کنجی واضح طور پر ہندوستان ہے۔ روسی وزیر اعظم کوسیجن کا حالیہ دورہ بھارت اسی مقصد کے لئے تھا۔"

امریکہ اور سوویت یونین کے اس منصوبہ کی تکمیل میں پاکستان سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ کیونکہ پاکستانی عوام چین کو اپنا سب سے بڑا دوست سمجھتے ہیں اس کے علاوہ وہ چینی سیاسی اور معاشی نظام سے بھی بہت متاثر ہیں گو حکمران طبقہ بھی "چین دوستی" کا دم بھرتا ہے، لیکن اسے صرف معاشی اور فوجی امداد بٹورنے تک چین سے ہمدردی ہے۔ اس لیے وہ روس امریکہ دونوں کو خوش کرنے کے لیے ملک کے معاشی اور سیاسی ڈھانچہ ~~میں تبدیل کرنا چاہ~~

میں تبدیلی نہیں کرنا چاہتا۔ حالانکہ دونوں برسرِ اقتدار جماعتوں نے سوشلزم نافذ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ بہرحال امریکہ اور روس دونوں پاکستان کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ امریکہ اپنے مفادات کے لئے اصغر خان کو استعمال کر رہا ہے۔ اس کی پریس کانفرنس میں امریکی قونصل اور اس کی اہلیہ شرکت کرتی ہیں۔

دوسری جانب روس یہ سمجھتا ہے کہ برصغیر کے چھوٹے ممالک بھارت کے زیرِ اثر آجائیں، تو وہ آسانی سے اپنا تسلط قائم کر سکتا ہے۔ اسی لیے وہ اس علاقہ کی خود مختار اور آزاد ریاستوں کو "اسٹیٹس آف انڈیا" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ بنگلہ دیش کے قیام میں نئے زاروں نے جو کردار ادا کیا، وہ اس پر شرمندہ نہیں ہیں۔ بلکہ روسی وزیر اعظم نے کہا تھا کہ "اگر تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا تو روس وہی کردار ادا کریگا جو بنگلہ دیش کے سلسلے میں کیا تھا۔" روسی وزیر اعظم کے یہ الفاظ ان کے منصوبوں کی نشاندہی کر رہے تھے۔ روس

کی اس واضح دھمکی کے پیشِ نظر پاکستانی حکمران جماعتوں کا فرض تھا کہ وہ پاکستان کی جغرافیائی سلامتی اور اقتدارِ اعلیٰ کے تحفظ کے لئے اقدامات کرتے، اور یہ تحفظ اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ ملک کا معاشی اور سیاسی ڈھانچہ تبدیل نہیں کیا جاتا۔ لیکن انہوں نے اپنے طبقاتی مفادات کے پیشِ نظر چند جزوی اصلاحات کر کے استحصالی اور معاشی نظام کو برقرار رکھا۔

روس جو پہلے موقع کی تلاش میں تھا، اس نے فائدہ اٹھایا عراق کی معرفت اسلحہ بھیج دیا۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ سوویت سوشل سامراجی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ انقلاب برآمد کیا جا سکتا ہے۔ ہنگری، پولینڈ، چیکوسلواکیہ اور مشرقی یورپ کے دوسرے سوشلسٹ ممالک میں کریملین سے انقلاب برآمد کیا گیا حالانکہ انقلاب برآمد کرنے کی حکمتِ عملی مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے۔ چیکوسلواکیہ اور پولینڈ کی عوامی تحریکیں، جنہیں روسیوں نے بزورِ طاقت کچل دیا، اس بات کا ثبوت ہیں۔

قیامِ پاکستان سے اب تک تمام حکمران قومی سلامتی اور تحفظ کی باتیں کرتے رہے ہیں۔ لیکن وہ اس کا تحفظ نہیں کر سکے مشرقی پاکستان علیحدہ ہو گیا۔ اس کی وجہ موجودہ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ یہ نظام نہ ماضی میں پاکستان کو بچا سکا اور نہ مستقبل میں بچا سکے گا۔ لہٰذا پاکستانی عوام کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھیں۔ کیونکہ پاکستان کی سلامتی کا مسئلہ چاروں صوبوں اور چاروں قومیتوں کی سلامتی کا مسئلہ ہے، چاروں صوبوں کے نوجوانوں اور محنت کش عوام کو پہلے سے زیادہ متحد اور منظم ہو کر جاگیرداری سرمایہ داری نظام اور سامراج کے خلاف جدوجہد کرنی چاہیئے پاکستان کی قومی سلامتی کا راز جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمہ میں مضمر ہے۔

بقیہ: ادارتی نوٹ

کی سازش روس کے اشاروں پر ہوئی ہے۔ اور یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہے کہ برآمد ہونے والا اسلحہ روسی ساخت کا ہے۔

یہ اسلحہ ہمارے وطن میں برآمد ہوا ہے۔ روسی حکومت کھلم کھلا ہمارے ملکی معاملات میں مداخلت کرتی رہی ہے۔ مشرقی پاکستان کو اس نے اپنا جغرافیائی مسئلہ قرار دیا تھا۔ روس کے وزیر اعظم کوسیگن کھلم کھلا اس بات کا اعلان کر چکے ہیں کہ وہ مغربی پاکستان میں بھی مشرقی پاکستان کی طرح مداخلت کرینگے۔

ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ روس اور امریکہ اپنا دائرۂ اثر بڑھانے کے لئے چھوٹے ممالک کو طاقت کے ذریعے دبانے کی پالیسی پر عمل کرتے رہے ہیں۔ ہم ان دونوں طاقتوں کی سازشوں کی سخت مذمت کرتے ہیں۔ انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ چھوٹے ممالک پر من مانے فیصلے مسلط کریں۔ اس کا فیصلہ صرف پاکستان کے عوام کریں گے کہ وہ اپنے معاشرے کو کس رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں، اور اس کے لئے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ انقلاب باہر سے برآمد نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں روسی حکومت پر دنیا میں چاروں طرف سے تھڑی تھڑی ہو رہی ہے۔ روسی اب امریکی سی آئی اے کے تمام ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ برطانیہ، مصر، ہانگ کانگ اور سوڈان میں ان کی سازشیں ناکام ہو چکی ہیں۔ اس کے باوجود وہ مسلسل سازشوں میں مصروف ہیں۔

پاکستان کے زخم خوردہ عوام اب پہلے سے زیادہ باشعور ہیں۔ وہ موجودہ سرمایہ دارانہ، نوآبادیاتی نظام کا تختہ الٹنے کیلئے تیار ہیں، لیکن وہ اس کے لئے کسی بیرونی طاقت کی مدد کے طلب گار نہیں ہیں۔ وہ انقلاب لائیں گے اور اپنے زورِ بازو سے لائیں گے۔ اگر کوئی غیر ملکی طاقت ان پر اپنے من مانے فیصلے مسلط کرنا چاہے گی تو وہ اس کا منہ توڑ جواب دیں گے۔

بقیہ: خیبر سے کھباڑی تک

ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یونین نے اپنے مطالبات کے سلسلے میں، ۲۴ر جنوری کو انتظامیہ کو ایک یادداشت پیش کی تھی۔ لیکن انتظامیہ نے ابھی تک اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جنرل سیکرٹری نے بتایا کہ یونین کے ایک حالیہ اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اگر ملز کی انتظامیہ نے مزدوروں کے مطالبات تسلیم نہ کئے تو مزدور اپنا قانونی حق استعمال کرتے ہوئے ۱۸ر فروری کو ہڑتال پر چلے جائیں گے۔

انہوں نے کہا کہ ہماری یونین چاہتی ہے کہ مزدوروں کے تمام مطالبات پُرامن ذرائع سے حل کئے جائیں اور ہڑتال جیسے انتہائی اقدام سے گریز کیا جائے۔ کیونکہ ملک جس بحران سے گزر رہا ہے اس کے پیشِ نظر مزدور طبقہ چاہتا ہے کہ صنعتی پیداوار میں کسی طرح کمی واقع نہ ہونے پائے۔ لیکن مہران شوگر ملز کی انتظامیہ حالات کو خراب کر رہی ہے اور چاہتی ہے کہ حکومت کا مقرر کردہ چینی کا کوٹہ فراہم نہ کرنے کی پوری ذمہ داری مزدوروں پر ڈال دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ مزدور اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اور ان کی یہ جدوجہد اسوقت تک جاری رہے گی جب تک تمام مطالبات تسلیم نہیں کر لئے جاتے۔

بقیہ: پردہ چاک

اب ان افسروں کی مجموعی تنخواہ پر ساڑھے ہزار روپے ماہانہ خرچ ہو رہے ہیں۔ جبکہ انتظامیہ چھوٹے ملازمین کے حقوق غصب کرنے کے لئے واویلا مچاتی ہے کہ فرم خسارے میں جا رہا ہے۔ ان افسروں کی تقرری از روئے قانون ناجائز ہے۔ کیونکہ بورڈ کے چیئرمین بنگلہ دیش میں قیام کرتے ہیں اور چیئرمین کی باقاعدہ اجازت کے بغیر ان افسران کی تقرری کو ضابطہ کے مطابق قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حالات معمول پر آنے کے بعد اصفہانی لمیٹڈ کے ریذیڈنٹ ڈائریکٹر محمود اصفہانی گزشتہ ماہ ایران سے واپس پہنچ گئے۔ بعض قریبی ذرائع کے مطابق وہ ایران میں رابطہ افسر کے طور پر کام کرتے رہے۔ بنگلہ دیش کے کاروبار کی خبریں پاکستان اور پاکستان کے کاروبار کی خبریں بنگلہ دیش پہنچاتے رہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ حکومت ان تمام باتوں سے باخبر ہے یا نہیں۔

ادھر کراچی میں اس فرم کی صورت حال انتہائی خراب ہو چکی ہے۔ لیبر پالیسی پر عمل درآمد نہیں کیا جا رہا ہے۔ گزشتہ کئی سالوں سے ملازمین کو بونس نہیں دیا گیا جبکہ مشرقی پاکستان کے ملازمین کو سال میں دو بار بونس دیا گیا۔ ہماری اطلاع کے مطابق بنگلہ دیش کے چیئرمین نے کئی بار مغربی پاکستان کے ملازمین کو بونس دینے کی ہدایت کی، مگر آج تک اس ہدایت پر عمل نہیں کیا گیا۔ بعض قریبی ذرائع کا کہنا ہے کہ بونس کا روپیہ خورد برد کر دیا گیا۔ اصفہانی لمیٹڈ کراچی کے ملازمین کو کئی سالوں سے بونس ہی سے محروم نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ ۱۹۶۸ء سے ملازمین میں منافع کی رقم بھی تقسیم نہیں کی گئی۔ اس کے برعکس وقتاً فوقتاً افسروں کی تقرری، ان کی تنخواہوں اور دیگر مراعات پر اندھا دھند موٹی موٹی رقم خرچ کی جا رہی ہے۔ ان میں کئی افسر ایسے بھی ہیں جنہیں ہر چھ ماہ بعد ۲۰ ہزار سے لے کر ۳۰ ہزار روپے بطور کمیشن دیئے جاتے ہیں۔ گریجویٹی کی صورت میں ان افسروں کو اب تک تقریباً دو لاکھ روپے دیئے جا چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر ماہ سفر کے اخراجات اور تفریحی الاؤنس پر ہزاروں روپے لٹائے جاتے ہیں۔ لیکن چھوٹے اور کم تنخواہ پانے والے ملازمین کے لئے اصفہانی کی جھولی میں ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اصفہانی لمیٹڈ کراچی کے ان تمام واقعات کی باقاعدہ تحقیقات کی جائے، حسابات چیک کئے جائیں اور اس سلسلہ میں بازپرس کی جائے کہ فرم میں لیبر آرڈیننس ۱۹۷۲ء پر اب تک کیوں عملدرآمد نہیں کیا گیا۔

الفتح

بقیہ: ۶ فروری کا واقعہ

کی خبر قومی اخبارات میں شائع نہیں ہوئی۔ ۸ فروری کے اخبار میں جو معمولی سی خبر شائع ہوئی ہے، وہ بھی شاید پولیس کے بیان پر مبنی خبر ہے۔ اصل واقعہ کو عوام تک پہنچنے ہی نہیں دیا گیا۔ حکومت ایک طرف صنعتی امن قائم کرنے کی خواہاں ہے۔ مرکزی وزیر محنت بار بار اعلان فرماتے ہیں کہ مزدوروں پر ظلم برداشت نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ مزدوروں سے براہ راست ملاقات کر کے ان کے حالات معلوم کرنے کی زحمت گوارہ کرتے تو شائد وہ اس قسم کے بیانات دینے کی بجائے محنت کشوں کو ظلم و تشدد سے بچانے کے لئے کوئی عملی قدم اٹھانے پر مجبور ہوتے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ عوامی حکومت کا دعویٰ کرنے والے عوامی وزیر کبھی عوام میں آنے کی زحمت نہیں کرتے۔ نوکر شاہی کی تیار کردہ رپورٹوں پر پالیسیاں مرتب کرتے ہیں اور صدر بھٹو کو غلط اطلاعات فراہم کر کے انہیں اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مرکزی وزیر محنت کو شاید اس بات کا علم نہیں کہ نوکر شاہی اور پولیس کے بعض افراد ایک بار پھر کراچی میں صنعتی امن و امان کو تباہ کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ مزدوروں کو دھڑا دھڑ برطرف کیا جا رہا ہے۔ مزدور رہنماؤں کو ڈی پی آر کے تحت جیلوں میں ٹھونسا جا رہا ہے۔ اور جیل کے اندر مزدور رہنماؤں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ یہ سارے حالات ایک طوفان کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ مرکزی وزیر محنت صاحب بیان بازی کرنے سے پہلے عوام میں آیئے۔ دیکھیئے کہ آپ کے بیانات اور اصل واقعات میں کتنا تضاد ہے۔

بقیہ: افسانہ

بارے میں سوچنے دو۔ اس رمضانو کے بارے میں جس کے جسم میں جوان لہو تھا۔۔۔۔۔ گرم گرم لہو۔ جو جاگیردار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مزدوری کرنے کے لئے شہر چلا گیا ہے۔ وہی رمضانو پچھلے مہینے گاؤں آیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا۔

"دینو کاکا۔ جس آزادی کی قیادت جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں ہو۔ وہ آزادی آزادی نہیں ہو سکتی دینو کاکا۔۔۔۔ آزادی تو اب حاصل ہوگی کاکا۔ بہت جلد۔ ہاں کاکا۔ بہت جلد آزادی کی تحریک چلے گی۔ جس کی قیادت مزدور اور کسان کریں گے۔ سکھ کے سپنوں کی تعبیر کے لئے۔ ان گنت مفلوک الحال لوگوں کے لئے۔ ان تمام دیہاتی اور شہری لوگوں کے لئے جن کے گھر کا ہر دوسرا فرد فاقہ زدہ ہے۔ اور دینو کاکا یہ پورا نظام فاقہ زدہ ہے۔ ٹی۔بی کا مریض ہے۔ پیپ بہہ رہا ہے۔ آؤ جدوجہد کا طویل راستہ طے کر کے اس فرسودہ نظام کو بدل ڈالیں۔

"آؤ دینو کاکا۔ آؤ۔"

اس دن رمضانو کی بات دینو کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ آج اس کی تمام باتیں دینو سمجھ گیا تھا۔

"آزادی ملے گی افضل خان۔ تمہاری قربانی رائیگاں نہیں جائے گی۔ آزادی ملے گی۔ سورج ضرور نکلے گا۔ صبح ضرور آئے گی۔ لیکن جدوجہد کے بعد۔ طویل ترین جدوجہد کے بعد۔ ہاں ایک دن ضرور آئے گا جب ہم اس جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ سماج کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اور وہی دن ہماری آزادی کا پہلا دن ہوگا۔ آزادی۔ انقلاب اور اور عوامی انقلاب کا دن۔

بستی قریب آ گئی تھی۔

وہ افضل خان کی لاش دونوں ہاتھوں میں اٹھائے بستی کی پہلی گلی میں داخل ہو گیا۔ دور فضاؤں میں آزادی کے گیت گونج رہے تھے۔

بقیہ: ظلم و تشدد کی کہانیاں

زری ہاؤس (انڈسٹریز) کے مالکان نے پیداواری ٹیکس میں زبردست دھاندلیاں اور چوریاں کی ہیں اور اس طرح وہ قومی خزانے کو زبردست نقصان پہنچاتے رہے ہیں۔ میں وزیر صنعت اور ایکسائز ٹیکسیشن سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ فیکٹری مذکورہ کا ہیڈ آفس اور فیکٹری کا ریکارڈ ضبط کر کے تحقیقات کریں تو بہت سے سنسنی خیز انکشافات منظر عام پر آئیں گے۔ ماضی میں مسٹر سعید چاندنہ، مسٹر صلاح الدین قریشی انسپکٹر ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن کو (جو رشوت خوری کی وجہ سے ۳۰۳ کی اسکریننگ میں معطل کر دیئے گئے) ہر ماہ بطور رشوت کافی رقم دیتے تھے۔ فیکٹری ہذا کے تمام مزدور اس بات کے گواہ ہیں۔

حکومت نے مزدوروں کی حمایت اور قربانیوں کی بدولت اقتدار حاصل کیا ہے لہٰذا حکومت پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ انہیں قانونی مراعات اور واجبات دلوانے کے لئے اپنے اقتدار کو منوائے۔ ہمارے نزدیک سرمایہ دارانہ، جاگیردارانہ اور نیم آبادیاتی نظام میں حکمران طبقے سے اس کے لئے کوئی توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ طبقاتی رشتوں کا خیال رکھے گا۔ یہ وقت ہے جب کہ مزدوروں، کسانوں اور طالب علموں کا ایک مشترکہ متحدہ محاذ قائم کر کے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا جائے۔ جب تک طالب علموں پر مظالم کے خلاف مزدور اور کسان علم بلند نہیں کریں گے اسوقت تک حالات پر قابو نہیں پایا جا سکے گا۔ اور ہم ظلم کی چکی میں پستے رہیں گے۔